مُحَرَّمُ الحَرَام

تاریخ وشریعت کے آئینے میں

اس کتاب میں ماہِ محرم الحرام کی فضیلت واہمیت، تاریخی حیثیت، صحابہ کرامؓ کی عظمت ومحبت، ان کے معیارِ حق ہونے کا ذکر، اوران کے خلاف باطل عقائد رکھنے والوں پر مکمل ومدلل رد کیا گیا ہے۔

مؤلف

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز بیعت

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

مُحَرَّمُ الحَرَام

تاریخ وشریعت کے آئینے میں

اس کتاب میں ماہِ محرم الحرام کی فضیلت واہمیت، تاریخی حیثیت، صحابہ کرامؓ کی عظمت ومحبت، ان کے معیارِ حق ہونے کا ذکر، اوران کے خلاف باطل عقائد رکھنے والوں پر مکمل ومدلل رد کیا گیا ہے۔

مؤلف

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

﴿خلیفہ ومجاز بیعت﴾

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز حضرت مولانا حکیم ذکی الدین صاحبؒ پرنامبٹی

خلیفہ ومجاز مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ

خلیفہ ومجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

مخلص اور طالب حق کو طباعت کی اجازت ہے

اگر کوئی نیکی کا طالب اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس کتاب کو منتقل کرنا چاہے تو اجازت ہے۔

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ محرم الحرام تاریخ وشریعت کے آئینے میں۔

مؤلف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

کمپیوٹر وکتابت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عبداللہ علاء الدین قاسمی

صفحات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔121

تعداد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ملنے کے پتے

☆ قاری عبدالعلاّم صاحب، C-178 تیسری منزل نزد چاند مسجد پُرانی سیما پوری (دہلی۔95)

☆ حاجی عبدالغنی صاحب، A-330 نزد مرکزی جامع مسجد پُرانی سیما پوری (دہلی۔95)

☆ قاری مطیع الرّحمٰن صاحب، اتوار بازار، نزد مدینہ مسجد، اگر نگر مبارک پور، (نئی دہلی)

☆ محمد اسلم وحافظ عبدالعزیز صاحب، چمن جنرل اسٹور 1981 گلی قاسم جان بازار
لال کنواں، نزد ہمدرد دواخانہ (دہلی-6)

Mobile:

Abdullah: 7654132008-Q . **Abdul Allam:** 9818406313

H. Abdul Gani : 9811542512 **Md Aslam:** 9250283190

H. Abdul Aziz: 9811626704 **Q. Mutiur Rahman:** 8882919635

Email: Abdullahdbg1994@gmail.com

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

محرم الحرام کا نام جیسے ہی کانوں میں پڑتا ہے اور جیسے جیسے اس محترم مہینہ کے دن قریب آتے ہیں مسلمانوں کے ذہن ودماغ کی اسکرین پر بہت سارے مختلف فیہ مسائل، منتشر احوال، کرب انگیز واقعات، خونچکاں داستانیں اور دلدوز کہانیاں، ابھرنے اور اتھل پتھل کرنے لگتی ہیں، اس مہینہ کی حرمت کی حفاظت کے پیش نظر اس میں فریضہ جہاد تک کی اجازت نہیں ہوتی، قرآن مقدس میں بھی اس کی عظمت بیان ہوئی اور احادیث پاک میں بھی اس کی فضیلت آئی ہے۔

تاریخ وسیر کا ہر طالب علم اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ تخلیق آدمؑ سے لیکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ تک بڑے بڑے واقعات اسی محرم کے مہینہ میں ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف کی تحریک اس لئے پیدا ہوئی کہ واقعۂ کربلا اور شہادت حسینؓ کے ضمن میں انصاف پسند مصنفین کے علاوہ آزادخیال مؤرخوں، قلم کاروں، غیر عادل داستاں سراؤں اور افسانہ نگاروں نے بڑے بڑے گل کھلائے ہیں، کہیں ناقص روایات، کہیں رطب ویابس، کہیں جانبداری، تو کہیں تصنع، وتفنن طبع کی نیرنگیاں، الغرض چوطرفہ ظلمتوں کے درمیان حق کا نور کہیں کچھ نمودار دکھتا ہے تو کہیں ٹمٹماتا ہوا، اور کہیں بالکل مفقود۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد انسانیت کی سب سے معتبر جماعت صحابہ کرامؓ پر ان کتابوں میں ہدف تنقید کے بڑے بڑے تیر ونشتر چلائے گئے ہیں، جن سے شان صحابہؓ میں فرق وتفریق اور گستاخی وبدگمانی تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

اس عاجز کے دل میں آیا کہ کیوں نہ عظمت صحابہؓ سے متعلق کچھ ایسے مضامین پیش کر دیے جائیں جو بحیثیت دلائل کے قوی اور پختہ ہوں جن کے اعتبار پر کسی کو شک کا موقع نہ ملے، محرم الحرام کے واقعات واعمال سے متعلق اکابر کی آراء اور ہدایتیں ہم مسلمانوں کے لیے کیا ہیں، ان سب کو قرآن پاک اور حدیث شریف اور اسلاف کے اقوال وارشادات کی روشنی میں پیش کر دیا جائے، تاکہ محرم الحرام کے واقعات کے حوالہ سے جو ذہن ودماغ میں الجھنیں ہیں ان کا ازالہ ہو سکے اور اصل حقائق اور مقصود سے واقف ہو کر لوگ اغلاط وخرافات سے محفوظ ہو جائیں۔

حضرت عثمان اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ تعالی عنہما کے درمیان پیش آمدہ واقعات کے حوالہ سے طبری اور ابن خلدون جیسے عباقرۂ مصنفین تک نے ٹھوکریں کھائی ہیں، ہمارے اہل سنت میں سے بھی آزاد مطالعہ اہل قلم نے فحش لغزشیں کھائی ہیں، جن کے ذکر کے لیے یہ اوراق ناکافی ہیں، جبکہ باطل فرقوں نے واقعۂ کربلا کے ضمن میں حضرات صحابہؓ کی شان میں بڑی بڑی ہفوات وافتراءات اور شدید شدید طعن وتشنیع اور الزام تراشیوں کا بازار گرم کیا ہے، اور باطل اور معتوب فرقوں سے ضلالت وجہالت، شر وفساد اور اتہام ولعنت کی بوچھار کوئی حیرت کی بات نہیں، اس لئے کہ باطل کا شیوہ یہی ہے۔

جبکہ اہل حق میں سے کوئی بھی شخص صحابہ کرامؓ کی شان میں ادنیٰ تنقید کو جائز نہیں سمجھتا، ہمارے لئے حضرت علیؓ ہوں، یا حضرت معاویہؓ، حضرت ابوبکرؓ ہوں، یا حضرت عثمانؓ، سب اہل حق، اور معیار حق ہیں، ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص ان کو برا کہے اور اس کا یہ عقیدہ بن چکا ہو تو وہ اسلام سے خارج ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرامؓ کو اہل حق میں سے جاننا واجب ہے۔

قارئین سے گزارش کرتا ہوں کہ اس کتاب کو سنجیدگی اور غور سے جستجو حق کے لیے پڑھیں، اگر اطمینان ہو جائے تو بغیر کسی ادنی شک وشبہ کے صحابہ کرامؓ پر سو فیصد اعتماد واعتبار کرنے کا عقیدہ

اپنے دل میں بٹھالیں، اس لیے کہ صحابہؓ کوتسلیم اور ان کی توقیر کئے بغیر جنت میں کوئی نہیں جاسکتا، اسلئے کہ صحابہؓ کی ناراضگی نبیؐ کی ناراضگی ہے اور نبی کی ناراضگی موجب دخول جہنم ہے، اسلئے صحابہ کرامؓ سے جیسی برگزیدہ جماعت کے لئے ذرا بھی سوءِظن نہ رکھیں، اور نہ قول وفعل سے کوئی ایسی حرکت صادر ہونے دیں جس سے یہ ظاہر اور ثابت ہو کہ آپ نے کسی بھی چھوٹے سے چھوٹا صحابیؓ کے بارے میں لب کشائی، زبان درازی اور بد دلی کا اظہار کیا ہے، نہ ہی کسی ایسے شخص کی بات کی طرف ذرہ برابر التفات کریں اور نہ اس سے مرعوب ہوں جو اس فکر اور طبیعت کا حامل ہو، خواہ وہ کیسا ہی قوی الدلائل اور علم کا کوہ ہمالہ کیوں نہ ہو، کوئی بھی انسان اپنے علم کے زور پر آپ کو اس عقیدہ حقّہ سے برگشتہ نہ کرے، غرض ایک سچا پکا مسلمان بننے کیلئے عظمت صحابہؓ اور اتباع صحابہؓ سے ہمیشہ دل کو لبریز، اور بغض صحابہؓ سے بال بال احتیاط رکھنا ہوگا، اس لئے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ کی ہی وہ مبارک جماعت حقہ ہے جس کے ذریعہ سے تابعین، تبع تابعین، وسلف صالحین اور آج تک کے تمام انسانوں اور مسلمانوں کو قرآن شریف اور احادیث مبارکہ کے علوم اور دین برحق، دین اسلام کی یہ عظیم دولت ملی ہے۔

اگر اس مبارک جماعت سے بدظنی کی جائے گی تو پھر اس کے لائے اور بتلائے ہوئے پیغام قرآن وسنت پر بھی شک ہونے لگے گا، کیونکہ ایک بدگمانی ہزار بدگمانی کے راستے کھولتی ہے، اور قرآن وسنت پر ذرا بھی شک کا مطلب خواہ ظاہراً ہو یا باطناً خود کو اسلام سے خارج کرنا ہے، اس لیے یہ عاجز ہر مسلمان سے نہایت درد وسوز کے ساتھ یہ گزارش کرتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے خلاف اپنے وقت کا چاہے کوئی کتنا بڑا علامہ، یا علم کا پہاڑ ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ ذرا بھی میلی زبان استعمال کرے آپ اس عالم کو اور اس کے علوم کو ہرگز قبول نہ کریں، چاہے ہند کا ہو یا بیرون ہند کا، چاہے وہ حجاز کا ہو، یا مصر وعرب کا، چاہے اعلی خاندان ہی کا کیوں نہ ہو، ہرگز اس کے علم سے دھوکا نہ کھائیں، خدا

نے جس مبارک جماعت کو اپنی مقدس کتاب میں قیامت تک کے لئے اپنی رضا کا دائمی پروانہ عطا کردیا ہو، اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی جنتی سند اس کو عطا کی ہو، معاذ اللہ ان کی شان میں بھولے سے بھی کوئی غلط لفظ استعمال کرسکتا ہے، جب تک سورج چاند اور آسمان وزمین رہیں گے قیامت تک ان کی ذات وصفات اور ان کی شان میں میل تو کجا ایک ادنیٰ حرف بھی ہم گوارا نہیں کریں گے، پیغمبر کے بعد صحابہ کرامؓ کی امامت وصداقت اور ثقاہت وطہارت کو پاک نیت، پاک دل، اور پاک عقل ودماغ سے تسلیم کریں گے، اور جماعت صحابہؓ کی بغیر کسی ادنی تذبذب وتردد کے آنکھیں بند کرکے پوری پوری انشاء اللہ تقلید کریں گے، ان کے متعلق دوست ودشمن کسی کی نہیں سنیں گے، ان کی عظمت ومحبت کی گرہ مرتے دم تک اپنے دل پر باندھے رہیں گے۔ صحابہؓ کے خلاف بولنا یا ان پر تبصرہ کرنا یہ اس بات کی علامت ہے کہ تبصرہ کرنے والے کو ان سے محبت نہیں ہے۔

راقم السطور نے اس کتاب میں محبت صحابہؓ اور عظمت صحابہ کرامؓ سے متعلق قرآن وسنت اور اسلاف کے اقوال وعقائد کو تفصیل سے پیش کردئے ہیں، اسلئے صحابہ کرامؓ کے معاملہ میں پورے اطمینان وتسلی کے لیے انشاء اللہ یہی مضامین کافی ہوں گے، اللہ تعالی سے دعا فرمائیں کہ ہمیں بھی صحابہ کرامؓ سے سچی محبت عطا فرمائے، اور ان کی اتباع پر قائم رکھے، خاتمہ بالخیر فرمائے، اور اس کتاب کو ہمارے لئے اور جملہ معاونین کے لئے ذریعۂ رحمت ونجات دارین بنائے۔ (آمین)

(حضرت مولانا) **محمد علاء الدین صاحب قاسمی**

خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

۲۰/ ذوالحجہ بروز شنبہ، ۱۴۴۲ھ

مطابق، ۳۱ جولائی بروز شنبہ، ۲۰۲۱ء

ماہِ محرم الحرام کی عظمت وفضیلت

محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے، اسی سے اسلامی سال کی ابتدا ہوتی ہے، یہ اُن چار بابرکت مہینوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بناتے وقت ہی سے بڑی عزت، احترام، فضیلت اور اہمیت عطا فرمائی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ عِدَّةَ ٱلشُّهُورِ عِندَ ٱللَّهِ ٱثۡنَا عَشَرَ شَهۡرٗا فِي كِتَٰبِ ٱللَّهِ يَوۡمَ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَ مِنۡهَآ أَرۡبَعَةٌ حُرُمٞۚ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلۡقَيِّمُۚ فَلَا تَظۡلِمُواْ فِيهِنَّ أَنفُسَكُمۡۚ وَقَٰتِلُواْ ٱلۡمُشۡرِكِينَ كَآفَّةٗ كَمَا يُقَٰتِلُونَكُمۡ كَآفَّةٗۚ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلۡمُتَّقِينَ۔ (سورۃ التوبہ)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے، جو اللہ کی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) کے مطابق اُس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ یہی دین (کا) سیدھا (تقاضا) ہے۔

اس آیت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلامی سال کے بارہ مہینے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمائے ہیں، جس سے اسلامی سال اور اس کے مہینوں کی قدر وقیمت اور اہمیت بخوبی واضح ہوتی ہے۔ اسی طرح اس سے معلوم ہوا کہ ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت، عظمت اور احترام والے ہیں، ان کو اَشْهُرُ الْحُرُم بھی کہا جاتا ہے، یہ مضمون متعدد احادیث میں آیا ہے جس سے ان چار مہینوں کی تعیین بھی واضح ہوجاتی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: »اَلزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا: أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ زمانہ اب اپنی اسی ہیئت اور شکل میں واپس آ گیا ہے جو اس وقت تھی جب اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت (عظمت اور احترام) والے ہیں، تین تو مسلسل ہیں یعنی: ذُوالقعدہ، ذُوالحجہ اور مُحرم، اور چوتھا مہینہ رجب کا ہے جو کہ جُمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: زمانہ لوٹ کر پھر اپنی ہیئت پر آ گیا جس پر اس دن تھا جس دن کہ حق تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا، سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین مہینے مسلسل ہیں، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام اور چوتھا مہینہ رجب ہے جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۶۷۹)

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الَّذِىْ تَدْعُوْنَهُ الْمُحَرَّمَ وَاَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ قِيَامُ اللَّيْل:

ترجمہ: ماہِ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے اس مہینے کے ہیں جس کو تم محرم کہتے ہو، اور فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔

اس حدیث پاک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محرم الحرام کو اللہ کا مہینہ کہا ہے، جو اس ماہ کی عظمت اور شرف وفضیلت پر دلالت کرتا ہے، نیز اس ماہ کے روزوں کو رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل فرمایا ہے، جیسا کہ فرض نمازوں کے بعد نماز تہجد کو سب سے افضل قرار دیا ہے۔

یوم عاشوراء کا روزہ اور اس کی فضیلت

عاشوراء محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو کہتے ہیں اس دن روزہ رکھنے کی بڑی فضیلت ہے،

حضرت ابوقتادہ سے منقول ہے کہ نبی کریم نے ارشاد فرمایا: صِيَامُ عَاشُوْرَاءَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَه۔(رواہ مسلم)

یعنی میں حق تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ عاشوراء کا روزہ گذشتہ ایک سال کے (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عاشوراء کے روزوں کا خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَارَأَيْتُ النَّبِيَّ يَتَحَرِّيْ صِيَامَ يَوْمٍ فَضْلُه عَلٰى غَيْرِهٖ اِلَّاهٰذَ االْيَوْمَ صَامَ عَاشُوْرَاءَ وَہٰذَا الشَّهْرَ يَعْنِيْ شَهْرَ رَمَضَانَ ۔(متفق علیہ)

میں نے رسول اللہ کو عاشوراء اور رمضان کے روزوں کے علاوہ فضیلت والے کسی دن کے روزے کا اس قدر اہتمام کرتے نہیں دیکھا۔

شروع زمانۂ اسلام میں یہ روزہ فرض تھا مگر رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد یہ منسوخ ہوگیا، البتہ اس کا استحباب اور فضیلت ابھی بھی باقی ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ آخری عمر تک اس کا اہتمام فرماتے رہے، حضرت حفصہ فرماتی ہیں: چار چیزیں رسول اللہ کبھی ترک نہیں فرماتے تھے (۱) عاشوراء کے روزے (۲) عشرۂ ذی الحجہ کے روزے (۳) ہر مہینے کے تین دن (ایام بیض) کے روزے (٤) فجر سے پہلے کی دو سنتیں۔(رواہ النسائی واحمد)

مگر چوں کہ اس روز یہود بھی روزہ رکھتے تھے اس لئے ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے آپ نے اپنی وفات سے ایک سال قبل ارشاد فرمایا تھا: صُوْمُوْا عَاشُوْرَاءَ وَخَالِفُوْا الْيَهُوْدَ صُوْمُوْا قَبْلَه يَوْماً وَبَعْدَه يَوْماً ، رَوَاهُ اَحْمَدُ۔(اعلاء السنن ج۹ ص۱۷۸)

تم یوم عاشوراء کا روزہ رکھو لیکن یہودیوں کی مخالفت کرو (وہ اس طرح) ایک دن پہلے یا ایک

دن بعد (کو ملاکر) رکھو۔اس لئے دسویں تاریخ کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ ملانا چاہئے تاکہ یہودیوں کی مخالفت ہوجائے۔

اہل وعیال کے رزق میں وسعت

محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے میں وسعت وفراخی سے کام لینا چاہئے حدیث پاک میں اس کی تعلیم دی گئی ہے،جس کی برکت سے حق تعالیٰ پورے سال رزق میں وسعت اورفراخی کے دروازے کھول دیتا ہے،حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشادفرمایا: مَنْ أَوْسَعَ عَلیٰ عَیَالِه وَأَہْلِه یَوْمُ عَاشُوْرَاءَ أَوْسَعَ اللّٰہُ عَلَیْہِ سَائِرَ سَنَتِه۔ (رواہ البیہقی،الترغیب والترہیب ۱۱۵۲)

جو شخص عاشوارء کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے کے سلسلہ میں فراخی اور وسعت سے کام لے گا توحق تعالیٰ پورے سال اس کے رزق میں وسعت عطافرمائیں گے۔

یوم عاشو کا تقدس وحرمت کب سے ہے

میرے مرشد حضرت حبیب الامتؒ فرماتے ہیں:بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ عاشورہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا،اس شہادت کے پیش آنے کی وجہ سے عاشورہ کا دن مقدس اورحرمت والا بن گیا ہے یہ بات صحیح نہیں ،خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عاشورہ کا دن مقدس سمجھا جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں احکام بیان فرمائے تھے اورقرآن کریم نے بھی اس کی حرمت کا اعلان فرمایا تھا جبکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ توحضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً ساٹھ سال کے بعد پیش آیا،لہٰذا یہ بات

درست نہیں کہ عاشورہ کی حرمت اس واقعہ کی وجہ سے ہے، بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اس روز واقع ہونا یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مزید فضیلت کی دلیل ہے کہ اللہ جل شانہ نے ان کو شہادت کا مرتبہ اس دن عطا فرمایا جو پہلے ہی سے مقدس اور محترم چلا آرہا تھا، بہرحال عاشورہ کا دن ایک مقدس دن ہے۔ (خطبات رحیمی جلد دہم، ص/89)

تعزیہ داری کی ایجاد کب سے ہوئی

سنہ ۳۵۲ھ کے شروع ہونے پر ابن بویہ نے حکم دیا کہ ۱۰/محرم الحرام کو حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے غم میں تمام دکانیں بند کر دی جائیں، بیع وشرا بالکل موقوف رہے، شہر و دیہات کے تمام لوگ ماتمی لباس پہنیں اور علانیہ نوحہ کریں عورتیں اپنے بال کھولے ہوئے، چہروں کو سیاہ کیے ہوئے، کپڑوں کو پھاڑے ہوئے، سڑکوں اور بازاروں میں مرثیے پڑھتی، منہ نوچتی ہوئی اور چھاتیاں پیٹتی ہوئی نکلیں، شیعوں نے اس حکم کو بہ خوشی تعمیل کی؛ مگر اہلِ سنت دم بخود اور خاموش رہے؛ کیونکہ شیعوں کی حکومت تھی، آئندہ سال سنہ ۳۵۳ھ میں پھر اسی حکم کا اعادہ کیا گیا اور سنیوں میں فساد برپا ہوا، بہت بڑی خوں ریزی ہوئی، اس کے بعد شیعوں نے ہر سال اس رسم کو زیر عمل لانا شروع کر دیا اور آج تک اسی کا رواج ہندوستان (پاک وہند) میں ہم دیکھ رہے ہیں، عجیب بات یہ ہے کہ ہندوستان (پاک وہند) میں اکثر سنی لوگ بھی تعزیے بناتے ہیں۔ (انوار اسلام، ص/5404)

ہندوستان میں تعزیہ اور ماتم کی رسم کب شروع ہوئی

ہندوستان میں تعزیہ کی ابتدا تیمور لنگ کے زمانے میں اس کی کوششوں سے ۸۸۰ھ میں ہوئی۔ بتایا جاتا ہے کہ تیموری دور میں بادشاہ، وزراء اور عمالِ حکومت عام طور پر شیعہ تھے اور حکومت کی مصروفیات کی وجہ سے ہر سال کربلا جانا ان کے لئے مشکل تھا، اس لئے تیمور لنگ نے کربلا سے حضرت حسینؓ کے روضے کی نقل منگوائی اور اسے تعزیے کی شکل میں تیار کرا دیا تا کہ لوگ

اس کے ذریعہ کربلائے معلّیٰ کی زیارت کا ثواب حاصل کریں۔ چنانچہ یہی ہوا اور بجائے کربلا کے اس کی نقل کی زیارت ہونے لگی اور اس نے بہت جلد وہ شکل اختیار کرلی جو اب رائج ہے۔‘‘

آج کے اس دور میں دس محرام الحرم کو جو تعزیہ اور ماتم کی رسم چل پڑی ہے قرون بالخیر میں اس کا نام ونشان نہیں تھا اس میں کلام نہیں کہ دس محرم الحرام بڑا ہی بابرکت دن ہے، حدیث شریف میں اس دن کی بڑی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص دس محرالحرام کو اپنے اہل وعیال پر خرچ میں وسعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ سال بھر تک اس کے لئے رزق میں فراخی اور کشادگی فرمادیتے ہیں، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم محرم الحرام کی دس تاریخ کا روزہ رکھتے اور صحابہ کرام بھی پابندی کے ساتھ روزے رکھتے تھے۔ اسی طرح بعد کے ادوار میں بھی لوگ اس دن کا خاص خیال کرتے اور روزے صدقات وغیرہ کا بکثرت اہتمام کرتے تھے، لیکن تعزیہ داری نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں رہی اور نہ ہی خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام کے دور میں اور نہ ہی تابعین وتبع تابعین کے ادوار میں بلکہ بہت بعد یعنی ۸۸۰ھ میں اس تعزیہ داری کا رواج پڑا۔ آپ خود غور فرمائیں کہ جو چیز نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، نہ صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین کے دور میں پائی گئی وہ کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ (محرم الحرام کی یادیں، ص/78)

تعزیہ بنانا کیسا ہے؟

دسویں محرم بہت ہی فضیلت والا اور برکت والا دن ہے۔ اور اس دن کی عظمت حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے چلی آرہی ہے، اور قیامت بھی دس محرم ہی کو آئے گی ایسا کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اس دن زیادہ سے زیادہ اللہ کی یاد میں مشغول ہونے کی کوشش کرنا، روزہ رکھنا اور اپنے اہل وعیال پر فراخ دلی سے خرچ کرنے سے پورے سال برکت رہتی ہے۔

حضرت امام حسینؓ کی شہادت بھی تاریخ کا ایک اہم قصہ ہے، کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا جسے اس واقعہ سے دلی رنج نہ پہنچا ہو، لیکن انکی یاد میں تعزیہ بنانا، اوراس کے ساتھ ناچنا کودنا وغیرہ اہل سنت والجماعت کے ہر عالم نے اس سے منع کیا ہے۔

ہمارے یہاں تعزیہ کا جو رواج ہے وہ رافضیوں کے طریقہ سے (کی طرف سے) آیا ہے، اور سب سے پہلے تیمور لنگ نامی بادشاہ کی شروع کی ہوئی رسم ہے۔اس لئے یہ رسم بالکل بند کر دینی چاہئے۔ اور کسی بھی طرح سے اس میں مدد کرنا یہ سخت گناہ اور اللہ اوراس کے رسول کے حکم کی نافرمانی اور اہل بیت کرام کا مذاق کرنے کے مترادف ہے۔

تعزیہ کے ساتھ جو منت اور نذر و نیاز کا معاملہ جہلاء کرتے ہیں اس سے ایمان کے چھین جانے کا خطرہ رہتا ہے۔اس لئے صرف تعزیہ بنانا بھی جائز نہیں ہے، حرام ہے۔اس لئے جو لوگ بھی اس کام کو بند کریں گے وہ اللہ اوراس کے رسول اور آپکے اہل بیت کی رضامندی کا سبب بنیں گے۔یهدی الله لنوره من يشاء۔ (فتاوی دینیہ جلد 1،ص 264)

کیا تعزیہ داری جائز ہے؟

تعزیہ داری بدعت قبیحہ اور ناجائز ہے اس کا ترک مسلمانوں پر لازم ہے ورنہ سخت گناہ کے مرتکب ہوں گے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۵ / ۲۸۸، ۵ / ۲۹۵، فتاوی محمودیہ قدیم ۱ / ۱۸۸، جدید ڈابھیل ۳ / ۲۷۶)

عاشورا کے دن تعزیہ نکالنا

عاشوراء کے دن تعزیہ کا جو طوفانِ بدتمیزی ہوتا ہے وہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اس میں شرکت کرنے والے سب فاسق ہیں ایسے لوگ امامت کے لائق نہیں، ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوجاتی ہے، لہذا اس کو ہٹا کر متبع شریعت امام کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ (فتاوی قاسمیہ،ص/435)

تعزیہ بنانا اور اس میں چندہ دینا کیسا ہے؟

تعزیہ بنانا یا اس میں چندہ دینا یا کسی اور طرح سے شرکت کرنا سب بہت سخت گناہ ہے شرک کا فعل ہے۔ (از: مفتی شفیع)

تعزیت حسین اور ماتم سرائی

اسی کے جواب میں مندرجہ ذیل ارشادات اور فتاویٰ مطالعہ فرمایئے اور محفوظ رکھئے۔

(۱) حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کا فتویٰ:۔

لوجاز ان یتخذ یوم موته یوم مصیبة لکان یوم الا ثنین اولیٰ بذالک اذ قبض اﷲ تعالیٰ نبیه محمداً ﷺ فیه وذالک ابو بکر الصدیق رضی اﷲ عنه قبض فیه ۔

اگر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن کو روز مصیبت شمار کیا جاتا ہے تو دوشنبہ کا دن اس سے کہیں زیادہ مصیبت وغم واندوہ کا سزاوار ہے کیونکہ اس دن حضرت پیغمبر خدا نے وفات پائی ہے اور اسی دن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی وفات پائی ہے۔

(غنیۃ الطالبین مصری ج ۲ ص ۳۸ مع زبدۃ السالکین ص ۴۸۳)

(۲) محدث علامہ محمد طاہر کا فتویٰ:۔ فانه یشبه تجدید الماتم وقد نصوا علی کراهیته کل عام فی سید نا الحسین مع انه لیس له اصل فی امهات البلاد الا سلامیة۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ہر سال سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی تعزیت کی جاتی ہے، وہ مکروہ تحریمی ہے۔ اسلام کے مرکزی شہروں میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (مجمع البحار۔ ج ۳ ص ۵۵۰)

محرم کے موقع پر لنگر کرنا

محرم اور عاشوراء کے موقعہ پر لنگر لگانا قرآن وحدیث اور ائمۂ مجتہدین میں سے کسی سے ثابت

نہیں ہے بلکہ محرم کے دن روزہ رکھ کر کچھ نہ کھانا ہی حدیث سے ثابت ہے نیز لوگوں سے چندہ کر کے لنگر کرنا کسی بھی موقع پر جائز نہیں ہے۔(مستفاد فتاوی رشیدیہ/۱۳۹،فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۴۲۶،جدید ڈابھیل ۳/ ۲۷۸)

یوم عاشوراء میں ڈھول تاشہ کے ساتھ جلوس نکالنا

تعزیہ ڈھول تاشہ اور دیگر خرافات مثلاً گریبان چاک کرنا، چہرے پر مارنا، بدن کو زخمی کرنا وغیرہ سب ناجائز اور حرام ہیں ان سے تائب ہوکر باز آجانا لازم ہے، اس بارے میں حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس منا من ضرب الخدود، وشق الجيوب، أو دعا بدعوى الجاهلية۔(مسلم شریف، کتاب الایمان، باب تحریم ضرب الخدود الخ النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۷۰، بیت الأفکار رقم: ۱۶۵، بخاری شریف، کتاب الجنائز، باب لیس منا من شق الجیوب، النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۱۷۲، رقم: ۱۲۸۰، ف: ۱۲۹۴، مشکوۃ شریف، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت ۱/ ۱۵۰، رقم: ۱۶۲۸)

اسی طرح مذکورہ لوازمات کے ساتھ جلوس نکالنا بھی ناجائز اور حرام ہے، مسلمانوں پر ایسے جلوس سے احتراز لازم ہے۔(مستفاد: فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۱۴۹)

قال ابن مسعود ؓ صوت اللهووالغناء ينبت النفاق فى القلب كما ينبت الماء النبات قلت وفى البزازية استماع صوت الملاهى كضرب قصب ونحوه حرام (وقوله) فصرف الجوارح إلى غير ما خلق لأجله كفر بالنعمة لا شكر فالواجب كل الواجب أن يجتنب الخ۔(الدر المختار، کتاب الحظر والإباحۃ، کراچی ۶/ ۳۴۹، زکریا ۹/ ۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴)

عبد الله يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : إن الغناء ينبت النفاق فى القلب۔(سنن أبي داؤد مکمل کتاب الأدب، باب کراہیۃ الغناء والزمر ص: ۶۹۴، دار السلام رقم: ۴۹۲۷)

محرم میں ڈھول تاشے بجانا

محرم میں ڈھول، تاشہ بجانا دور نبوت، دور صحابہ، دور تابعین اور ائمۂ مجتہدین میں سے کسی سے ثابت نہیں اس لئے ان خرافات سے دور رہنا مسلمانوں پر لازم ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله حرم على أو حرم الخمر والميسر والكوبة :...قال سفيان : فسألت على بن بذيمة عن الكوبة قال الطبل۔(سنن أبی داؤد، کتاب الأشربة، باب فی الأوعیة، النسخۃ الہندیہ ۲/ ۵۲۰، دار السلام رقم:۳۶۹۶)

محرم میں کھچڑا بنا کر تقسیم کرنا

محرم کا کھچڑا بنانا، بانٹنا اور اس کو ضروری سمجھنا یہ تمام باتیں بے اصل، بدعت اور جہالت پر مبنی ہیں ،اس میں ذاتی طور پر حصہ لینا یا مالی تعاون کرنا جائز نہیں ؛اس لیے کہ اس میں در پردہ ایک سنت کی مخالفت ہے، کیونکہ اس دن روزہ رکھنا سنت ہے، اور اس میں حصہ لینا ایک بدعت کا تعاون کرنا ہے۔(مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۳/ ۲۷۳، میرٹھ ۵/ ۴۸۸)

دسویں محرم کو شربت تقسیم کرنا

دسویں محرم کو شربت تقسیم کرنا قرآن وحدیث اور فقہ کسی سے ثابت نہیں ہے یہ صرف روافض اور دشمنان اسلام کا طریقہ ہے، اس کو کار خیر اور ضروری سمجھنا ناجائز اور مداہنت فی الدین ہے، اگر اہل بیت کے غم میں اور ایصال ثواب کے لئے کیا جاتا ہے، تو شربت پلا کر غم منانا یا ایصال ثواب کرنے کا کوئی معنی نہیں رکھتا، کیونکہ اس دن اہل بیت پیاس سے پریشان تھے، لہذا خاص طور پر دسویں محرم کو شربت پلانے سے اہل بیت کے ساتھ دشمنی اور مخالفت واضح ہو جاتی ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی قدیم، کتاب العقائد ۱/ ۲۲۶، جدید زکریا مطول ۲/ ۲۸۵، امداد الفتاوی ۵/ ۳۳۴)

دسویں محرم میں حلیم بنا کر سرمایہ دار کے گھر بھیجنا

اگر بنام حضرت امام حسین یا اکابر کے بنایا ہے تو ''ما اہل بہ لغیر اللہ'' میں داخل ہونے کی بناء پر حرام ہے۔

''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِه''۔(سورہ مائدہ آیت:۳)

البتہ اگر اپنے گھر اہل وعیال کے لئے بنایا ہے اور اس میں سے کسی مالدار یا غریب کو کھلا دیا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ ص:۱۳۸)

دسویں محرم کو گٹکا (لاٹھی ڈنڈے کا کھیل) کھیلنا

ورزش اور جنگی مشق کی غرض سے لاٹھی ڈنڈے نیزہ اور تیر وغیرہ کے ذریعہ سے کھیلنا کسی زمانہ کی خصوصیت کے بغیر جائز ہے، بشرطیکہ ان کھیلوں کی وجہ سے معاشی اور دینی نقصان نہ ہو اور ستر عورت کا بھی خیال رکھا جاتا ہو کہ اس کی وجہ سے اپنے روزگار سے بے فکری ہو جائے اور نہ ہی نماز اور ذکر الٰہی وغیرہ سے لاپرواہی ہو جائے تو ایسے کھیلوں کے ذریعہ سے بدن کی ورزش اور جنگی مشق کرنا بلا کراہت جائز ہے لیکن سال بھر میں صرف محرم کی ایک تاریخ سے دس تاریخ تک اس طرح کا کھیل کھیلنا نہ جنگی مشق کیلئے ہوتا ہے اور نہ بدن کی ورزش کے لئے نیز ان تاریخوں کی قیود کے ساتھ جو کھیل ہوتا ہے وہ محض تلذذ اور تماشا بینی کیلئے ہوتا ہے اس لئے یہ جائز نہیں ہے اور نہ ہی تلذذ کے لئے اس طرح کے کھیلوں کا دیکھنا مشروع ہے، اسی طریقہ سے آج کی دنیا میں جو عالمی کھیل کھیلے جاتے ہیں جن مین نمبر ایک پر کرکٹ کا کھیل ہوتا ہے سرکاری اور عوامی اربوں کھربوں روپے اس میں برباد ہوتے ہیں اور اس میں جنگی مشق اور بدن کی ورزش کا مقصد بھی نہیں ہوتا ہے، اس لئے شرعاً اس طرح کا کھیل کھیلنا اور ان کا دیکھنا جائز نہیں ہے۔ (بخاری، کتاب العیدین، باب الحراب والرزق، یوم العید، النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۱۳۰، رقم: ۹۴۰، ف: ۹۵۰)

محرم کے تعزیوں میں ڈھول باجے کا تعلق غم حسین یا محبت رسولؐ سے ہے

محرم میں کیا ہوتا ہے، آٹھویں، نویں، دسویں، تاریخ کے جلوس اور اونچے اونچے تعزیوں کی لمبی لمبی قطاریں بازاروں میں ہو کر گزرتی ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا ماتم اور حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مصیبتوں اور تکلیفوں کی مرثیہ خوانی کے عنوان پر جو کام ہوتے ہیں وہ بھی ڈھول ڈھمکے اور باجے گاجے سے بھرپور ہوتے ہیں جو شخص ان غیر شرعی حرکتوں سے منع

کرے تو اس کی بات کو وہابی کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ معلوم نہیں ماتم اور مرثیہ خوانی میں تاشے بجانا، نقارے پیٹنا اور بجانے کے دوسرے سامان استعمال کرنا یہ رنج کی کونسی قسم ہے۔ نکلتے ہیں ماتم کا نام کرنے اور سامان کرتے ہیں نفس وشیطان کے خوش کرنے کے۔ اول تو ماتم اور مرثیہ خوانی ہی منع ہے، پھر اوپر سے اس کو ثواب سمجھنا اور گانے بجانے کے سامان سے اس کو بھرپور کر دینا یہ سب اعتقاد کا فساد ہے، اور سب حرکتیں گناہ در گناہ ہیں، جس چیز کی بنیاد خیر پر ہوتی ہے اس میں قرآن وحدیث کی خلاف ورزی نہیں کیجاتی اور شیطان کو خوش نہیں کیا جاتا۔ عجیب تماشا ہے کہ حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا غم لے کر نکلتے ہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشادات کی نافرمانی کرتے ہوئے جھوٹے غم کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے محبت ہونے کی بنیاد پر ماتم کرتے ہیں اور ان ہی کے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو عین ماتم ہی کے وقت پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ محبت صحیح اصولوں پر نہیں ہے۔ اگر صحیح اصول کے مطابق ہوتی تو اعمال واشتغال بھی صحیح ہوتے۔ صحیح محبت وہ ہے جو شرعی اصول پر ہو، خوب سمجھ لو۔ (گناہوں کے انبار جلد دوم، ص/89)

محرم کی عظمت قرآن سے ثابت ہے یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے؟

بہت سے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ماہِ محرم یا دس محرم کو جو فضیلت حاصل ہے وہ حضرت حسین اور ان کے دیگر جانثار شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم کی شہادت کی وجہ سے ہے، واضح رہے کہ یہ بات متعدد وجوہات کی وجہ سے درست نہیں۔

1۔ کسی سال، مہینے یا دن کی فضیلت ثابت شدہ امور میں سے ہوا کرتے ہیں، یعنی یہ اپنی طرف سے بیان نہیں کی جاسکتی بلکہ اس کا قرآن وسنت سے ثبوت ہونا ضروری ہوا کرتا ہے، جبکہ قرآن وسنت سے یہ بات ثابت ہی نہیں کہ محرم اور عاشورا کو فضیلت حضرت حسین اور ان کے دیگر جانثار احباب رضی اللہ عنہم کی شہادت کی وجہ سے ملی۔

2: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بخوبی علم تھا لیکن اس کے باوجود بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو محرم اور عاشورا کی فضیلت کی وجہ قرار نہیں دی۔

3: شروع میں تفصیل سے بیان ہو چکا کہ محرم اُن چار بابرکت مہینوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بناتے وقت ہی سے بڑی عزت، احترام، فضیلت اور اہمیت عطا فرمائی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ التوبہ میں فرماتے ہیں:

إِنَّ عِدَّةَ ٱلشُّهُورِ عِندَ ٱللَّهِ ٱثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَٰبِ ٱللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ مِنْهَآ أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا۟ فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ وَقَٰتِلُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَٰتِلُونَكُمْ كَآفَّةً وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلْمُتَّقِينَ۔

محرم کے مہینہ میں پچھلے غموں کا اظہار درست نہیں

بعض لوگ حضرت حسین اور ان کے دیگر جانثار احباب رضی اللہ عنہم کی شہادت کی وجہ سے اس مہینے کو غم کا مہینہ سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ اس مہینے میں شادی بیاہ بھی نہیں کرتے، مکان کی تعمیر بھی نہیں کرتے، خوشی کی کوئی بھی تقریب نہیں کرتے، زیب وزینت اختیار نہیں کرتے، نئے کپڑے نہیں خریدتے اور نا ہی پہنتے ہیں، عورتیں مہندی نہیں لگاتی۔ اسی طرح بعض لوگ غم کی وجہ سے اس مہینے میں سیاہ لباس پہنتے ہیں، سوگ مناتے ہیں؛ یہ تمام باتیں غیر شرعی ہیں۔ ماہِ محرم کو غم کا مہینہ قرار دینا اور اس کی بنا پر غم منانا ہرگز درست نہیں، اس کی متعدد وجوہات ہیں:

1: حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر جانثار احباب رضی اللہ عنہم کی شہادت یقیناً ایک نہایت ہی غمناک اور روح فرسا واقعہ تھا، لیکن ان کی شہادت کی وجہ سے ماہِ محرم کو غم کا مہینہ قرار دینا قرآن وسنت اور شرعی دلائل سے ہرگز ثابت نہیں، اس لیے یہ بات بلا دلیل ہے۔

2: اور اگر حضرت حسین اور ان کے دیگر جانثار احباب رضی اللہ عنہم کی شہادت کی وجہ سے کسی

مہینے کو غم زدہ قرار دینا درست مان لیا جائے تو پھر اسلامی تاریخ ایسی ہی المناک سانحات سے بھری پڑی ہے کہ سال کے بارہ مہینوں میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام کی المناک شہادتیں ہوئی ہیں، جیسا کہ حضرت حمزہ، حضرت صہیب، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور دیگر بہت سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی دردناک شہادتیں امت کی تاریخ کا حصہ ہیں، تو پھر ان کی شہادتوں کی وجہ سے تو سال بھر کو غم والا قرار دے دینا چاہیے، ظاہر ہے کہ اسے کون تسلیم کرسکتا ہے۔ بلکہ سرکارِ دو عالم رحمتِ کائنات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے واقعے کے مقابلے میں امت کے لیے کونسا سانحہ بڑا ہوسکتا ہے؟! لیکن اس کی وجہ سے بھی ربیع الاول کو غم والا مہینہ قرار دے کر سوگ کے احکام جاری کرنا کہیں سے ثابت نہیں۔

3: کسی شخص کی وفات پر اس کے عزیز واقارب کے لیے سوگ منانے کا حکم یہ ہے کہ سوگ تین دن تک ہونا چاہیے، تین دن کے بعد بھی سوگ منانا دین میں ثابت نہیں، البتہ جس عورت کا شوہر فوت ہوجائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کا سوگ چار ماہ دس دن تک ہے، لیکن اگر وہ حاملہ ہو تو اس کا سوگ بچے کی پیدائش تک ہے۔ اس لیے تین دن کے بعد سوگ منانا شریعت کے خلاف ہے۔ (صحیح البخاری حدیث: 5334، احکامِ میت، فتاویٰ رحیمیہ)

جیسا کہ صحیح بخاری کی اس حدیث سے واضح ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ هَذِهِ الأَحَادِيثَ الثَّلاَثَةَ: قَالَتْ زَيْنَبُ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ، فَدَعَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ، خَلُوقٌ أَوْ غَيْرُهُ، فَدَهَنَتْ مِنْهُ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا، ثُمَّ قَالَتْ: وَاللهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ:

لاَ يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاَثِ لَيَالٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

4: جب یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے ماہِ محرم کو غم کا مہینہ قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے آجکل جو غم منانے کے طور پر مختلف کام کیے جاتے ہیں یا مختلف نظریات قائم کیے جاتے ہیں؛ یہ سراسر غیر شرعی اعمال ونظریات ہیں۔

ماہِ محرم میں شادی بیاہ کرنا صحیح اور مبارک ہے

بعض لوگ محرم، صفر یا شوال کے مہینے میں نکاح غلط یا منحوس سمجھتے ہیں تو یاد رہے کہ یہ سوچ بے بنیاد ہے جس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

1: قرآن وسنت کی رو سے شادی سال بھر میں کسی بھی روز منع نہیں بلکہ اس کے لیے سال کے تمام ایام میں سے کسی بھی دن کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے محرم میں شادی کو غلط یا منحوس سمجھنے کا نظریہ قرآن وسنت کے خلاف ہے۔

2: ماقبل میں تفصیل سے بیان ہوا کہ محرم ان مہینوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالی نے کائنات بناتے وقت ہی سے عظمت عطا فرمائی ہے، یہ برکت اور عظمت والا مہینہ ہے، اسلامی سال کی ابتدا بھی اسی سے ہوتی ہے، تو اس کی عظمت اور برکت کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ مہینہ شادی کے لیے نہایت ہی موزون اور مناسب مہینہ ہے تاکہ اس کی برکت سے شادی بھی بابرکت بنے، جیسا کہ مختلف مقامات کی برکتیں ہوتی ہیں اسی طرح مہینوں اور ایام کی برکتیں بھی ہوتی ہیں، تعجب ہے کہ اس عظمت اور برکت والے مہینے میں شادی کو غلط یا منحوس کیسے سمجھا جاتا ہے!

3: شہادت تو نہایت ہی معزز اور مقدس چیز ہے، جو کہ امت کے خوش نصیب افراد کو عطا ہوتی ہے، اس لیے اس کی وجہ سے کسی مہینے یا دن میں نحوست کیسے آسکتی ہے؟

4: قرآن وسنت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بڑی سی بڑی شخصیت کی شہادت کی وجہ سے کسی مہینے کے احکام پر اثر نہیں پڑتا کہ اس کی وجہ سے بعض جائز امور ناجائز یا ممنوع ٹھہریں، اس لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے ماہِ محرم کے احکام میں تبدیلی کا تصور قرآن وسنت کے مطابق نہیں، بلکہ واضح طور پر بلا دلیل ہے، خصوصا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دے دی تھی لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محرم کے مہینے سے متعلق کسی حکم میں تبدیلی نہیں فرمائی۔

غم کی وجہ سے سیاہ لباس پہننا یا محرم کے غم کی وجہ سے پہننا حرام ہے

عام حالات میں سیاہ لباس پہننا فی نفسہ درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح ماہِ محرم میں بھی اپنی عادت کے موافق سیاہ لباس پہننا درست ہے، البتہ غم کی وجہ سے سیاہ لباس پہننا یا شیعہ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے یا کسی اور غلط نظریے کی بنیاد پر سیاہ لباس پہننا ناجائز ہے۔

نوحہ اور ماتم کی شریعت میں اجازت نہیں

ماہِ محرم میں عاشورا کے دن حضرت حسین اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شہادت کے غم میں نوحہ اور ماتم کرنے کا عام رواج ہو چکا ہے، یہ کام بھی شریعت کے خلاف ہے، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

1: شریعت نے غم لاحق ہونے یا عزیز اقارب کے فوت ہونے پر صبر کی تلقین کی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر صبر وتحمل کا حکم دیا ہے اور اس کے فضائل وانعامات بیان فرمائے ہیں، احادیث میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصائب پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی ہے، یہ ساری صورتحال کسی مسلمان سے مخفی نہیں۔ اس لیے نوحہ اور ماتم کرنا صبر کے خلاف ہے۔

2: شریعت نے اپنے عزیز کی فوتگی پر اعتدال کے ساتھ غم زدہ رہنے کی اجازت دی ہے، اس میں آنسو بہانا صبر وتحمل کے خلاف نہیں بلکہ غم کا تقاضا ہے، البتہ بلند آواز سے رونا چیخنا، چلانا، اللہ سے شکایات کرنا، تقدیر کے فیصلوں سے خوش نہ ہونا، جسم یا چہرے کو پیٹنا، گریبان چاک کرنا: یہ تمام ایسے امور ہیں جن سے شریعت منع کرتی ہے، احادیث ملاحظہ فرمائیں:

صحیح مسلم میں ہے:

وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ - وَاللَّفْظُ لَهُ-: حَدَّثَنَا أَبِي وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ كُلُّهُمْ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: »اثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ، وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ۔

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزیں ایسی ہیں جو کفر ہیں: ایک تو نسب میں طعنہ دینا، اور دوسری چیز میت پر نوحہ کرنا۔

صحیح ابن حبان میں ہے:

أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُمَيْرِ بْنِ يُوسُفَ، بِدِمَشْقَ، حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ، حَدَّثَتْنِي كَرِيمَةُ بِنْتُ الْحَسْحَاسِ الْمُزَنِيَّةُ، قَالَتْ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، وَهُوَ فِي بَيْتِ أُمِّ الدَّرْدَاءِ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: »ثَلَاثٌ مِنَ الْكُفْرِ بِاللهِ: شَقُّ الْجَيْبِ، وَالنِّيَاحَةُ، وَالطَّعْنُ فِي النَّسَبِ۔

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو اللہ کے ساتھ کفر کے زمرے میں آتی ہیں: غم میں گریبان چاک کرنا، میت پر نوحہ کرنا اور نسب میں طعنہ دینا۔

ان احادیث سے نوحہ کرنے، غم میں گریبان چاک کرنے، کپڑے پھاڑنے کی شدید وعید بیان فرمائی گئی ہے کہ یہ کفر اور اہلِ کفر کے کام ہیں، مسلمانوں کے نہیں، اس لیے یہ کام حرام اور شدید گناہ ہیں، مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

المعجم الکبیر میں ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ بن أَحْمَدَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بن الْعَبَّاسِ الرَّازِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بن مَهْدِيٍّ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ الْقُمِّيُّ: عَنْ جَعْفَرِ بن أَبِي الْمُغِيرَةِ: عَنْ سَعِيدِ بن جُبَيْرٍ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا افْتَتَحَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ رَنَّ إِبْلِيسُ رَنَّةً، اجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ جُنُودُهُ، فَقَالَ: ايْئَسُوا أَنْ نُرِيدَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلَى الشِّرْكِ بَعْدَ يَوْمِكُمْ هَذَا، وَلَكِنِ افْتِنُوهُمْ فِي دِينِهِمْ، وَأَفْشُوا فِيهِمُ النَّوْحَ۔

ترجمہ: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو ابلیس چیخنے اور واویلا کرنے لگا، اس کا لاؤ لشکر اس کے پاس آ کر جمع ہوا تو ابلیس نے کہا کہ تم اس بات سے مایوس ہو جاؤ کہ ہم آج کے بعد امتِ محمدیہ کو شرک میں مبتلا کر پائیں گے، لیکن تم ان کے دین میں ان کو فتنے میں مبتلا کرو اور ان میں نوحہ پھیلا دو۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں نوحہ پھیلنا ابلیس کی چاہت ہے، اس سے نوحہ کرنے کی شدید مذمت ثابت ہوتی ہے کہ اس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا زُبَيْدٌ الْيَامِيُّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: »لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں جو (مصیبت کے وقت) چہرے کو پیٹے، گریبان کو پھاڑے اور جاہلیت جیسا واویلا اور نوحہ کرے۔

مستدرک حاکم میں ہے:

حدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب: ثنا محمد بن سنان القزاز: ثنا عامر العقدي: ثنا علي بن المبارك عن يحيى بن أبي كثير، عن زيد بن سلام، عن أبي سلام قال: قال أبو مالك الأشعري: إن رسول الله ﷺ قال:إن في أمتي أربع من أمر الجاهلية، ليسوا بتاركيهن: الفخر في الأحساب، والطعن في الأنساب، والإستسقاء بالنجوم، والنياحة على الميت، فإن النائحة إذا لم تتب قبل أن تقوم فإنها تقوم يوم القيامة عليها سرابيل من قطران ثم يغلى عليهن دروع من لهب النار۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جاہلیت کی چار چیزیں ایسی ہیں جو میری امت نہیں چھوڑے گی: اپنے حسب نسب پر فخر کرنا، دوسروں کے نسب پر طعن کرنا، ستاروں سے بارش طلب کرنا، میت پر نوحہ کرنا۔ نوحہ کرنے والی عورت اگر توبہ کیے بغیر مرجائے تو اسے قیامت کے دن اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ اس پر تارکول کا کرتہ اور خارش والی قمیص ہوگی۔

سنن الترمذی میں ہے: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: أَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى ابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ، فَوَجَدَهُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ، فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَوَضَعَهُ فِي حِجْرِهِ فَبَكَى، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: أَتَبْكِي؟ أَوَلَمْ تَكُنْ نَهَيْتَ عَنِ البُكَاءِ؟ قَالَ: »لَا، وَلَكِنْ نَهَيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ: صَوْتٍ عِنْدَ مُصِيبَةٍ، خَمْشِ وُجُوهٍ، وَشَقِّ جُيُوبٍ، وَرَنَّةِ شَيْطَانٍ۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دو احمق اور فاجر آوازوں سے منع کیا ہے: ایک تو مصیبت کے وقت چیخنا، چہرہ نوچنا اور گریبان پھاڑنا، اور دوسری شیطانی مرثیہ خوانی۔

سنن النسائی میں ہے:

أَخْبَرَنَا هَنَّادٌ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ سَهْمِ بْنِ مِنْجَابٍ، عَنِ الْقَرْثَعِ قَالَ: لَمَّا ثَقُلَ أَبُو مُوسَى صَاحَتِ امْرَأَتُهُ فَقَالَ: أَمَا عَلِمْتِ مَا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ" بَلَى، ثُمَّ سَكَتَتْ، فَقِيلَ لَهَا بَعْدَ ذَلِكَ: أَيُّ شَيْءٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَعَنَ مَنْ حَلَقَ أَوْ سَلَقَ أَوْ خَرَقَ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو مصیبت کے وقت سر منڈوائے، چہرہ پیٹے یا کپڑے پھاڑے۔

مسند احمد میں ہے کہ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ: حَدَّثَنَا عِمْرَانُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي مِرَايَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: »لَا تُصَلِّي الْمَلَائِكَةُ عَلَى نَائِحَةٍ وَلَا عَلَى مُرِنَّةٍ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے اس عورت پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے جو مصیبت کے وقت نوحہ کرنے والی ہو اور واویلا کرنے والی ہو۔

مسند البزار میں ہے کہ:

حَدَّثنا عمرو بن علي: حَدَّثنا أبو عاصم: حَدَّثنا شَبِيب بن بشر البجلي قال: سَمِعْتُ أنس بن مالك يقول: قال رَسُول اللهِ ﷺ: صوتان ملعونان في الدنيا والآخرة: مزمار عند نعمة، ورنة عند معصيبة۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو آوازیں دنیا میں بھی ملعون ہیں اور آخرت میں بھی: خوشی کے وقت موسیقی اور مصیبت کے وقت واویلا اور نوحہ کرنا۔

مذکورہ تمام احادیث مبارکہ سے واضح طور پر مصیبت کے وقت نوحہ کرنے، چیخنے چلانے، واویلا کرنے، جاہلیت جیسی باتیں کرنے، گریبان اور کپڑے پھاڑنے، سر منڈانے، چہرہ پیٹنے، چہرہ نوچنے اور ماتم کرنے جیسے تمام غیر شرعی کاموں کی شدید مذمت اور ان سے متعلق سخت وعیدیں

ثابت ہوتی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ نوحے پر مشتمل مرثیے پڑھنا، ایسے پروگرام نشر کرنا، ان کاموں کے لیے جلسے منعقد کرنا، ایسی پوسٹیں شیئر کرنا، ان مجالس میں شرکت کرنا، ان کی تعریف اور حواصلہ افزائی کرنا، ان امور کے لیے چندہ دینا یا کسی اور طرح کا تعاون کرنا؛ سب ناجائز اور گناہ کے کام ہیں۔ ان احادیث کو مدنظر رکھنے کے بعد کوئی بھی مسلمان مرد یا عورت ان مذکورہ بالا امور کی ہمت نہیں کرسکتا۔

ماہِ محرم کی بدعات وخرافات

بعض لوگ ماہِ محرم خصوصا نویں اور دسویں محرم کو سبیلیں لگا کر دودھ یا شربت پلاتے ہیں، حلیم، چاول یا دیگر کھانے پکا کر تقسیم کرتے ہیں؛ یہ تمام تر چیزیں بدعات کے زمرے میں آتی ہیں جن سے اجتناب کرنا ضروری ہے، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

1: اگر ان سے مقصود اپنی ذات کے لیے صدقہ دینا ہے تو واضح رہے کہ صدقہ سال بھر میں کسی بھی دن دیا جاسکتا ہے، اور صدقہ میں کوئی بھی جائز چیز دی جاسکتی ہے، لیکن اس کے لیے مہینہ یا دن خاص کرنا یا صدقہ میں کوئی چیز خاص کرنا شریعت کے خلاف ہے۔

2: اگر ان کاموں سے مقصود شہدائے کربلا کے لیے ایصالِ ثواب ہے تو واضح رہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے نہ تو کوئی دن یا مہینہ خاص ہے، نہ صرف صدقہ دینا ہی ضروری ہے، اور نہ ہی صدقے میں کوئی خاص چیز دینا ضروری ہے، اس لیے ایصالِ ثواب کے لیے بھی مہینہ یا دن خاص کرنا یا ایصالِ ثواب میں کوئی چیز خاص کرنا شریعت کے خلاف ہے۔

3: بعض لوگ یہ چیزیں اس لیے تقسیم کرتے ہیں کہ تاکہ شہدائے کربلا خوش ہوں تو اگر اس سے مراد ایصالِ ثواب پہنچا کر ان کو خوش کرنا ہے تو اس کا حکم بیان ہوچکا اور اگر ان کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہو (جیسا کہ بت پرست اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے بہت سے کام

سرانجام دیتے ہیں) تو یہ غیر اللہ کو خوش کرنے کی خاطر نیکی کرنے کے زمرے میں آتا ہے جو کہ حرام اور نہایت ہی خطرناک کام ہے۔

4: بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ چوں کہ شہدائے کربلا پر پانی بند کردیا گیا تھا اس لیے پیاس کی حالت میں ان کی شہادت ہوئی، اس لیے یہ سبیل کا پانی اور شربت ان تک پہنچتا ہے، تو واضح رہے کہ اول تو پانی پہنچنے کا عقیدہ ہی شرعی اور عقلی دونوں اعتبار سے بے بنیاد ہے، شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہیں، اور نہ ہی عقل اس کو تسلیم کرسکتی ہے۔ دوم یہ کہ شہدائے کربلا کی شہادت پیاس کی حالت میں ہونے سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ اب تک پیاسے ہوں گے، بلکہ تعجب ہے ان شہدائے کربلا کے ساتھ محبت کا دعوی کرنے والوں پر کہ ایک طرف تو ان کے لیے شہادت کا اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ تسلیم کرتے ہیں اور پھر دوسری طرف ان کو پیاسا بھی مانتے ہیں، تو کیا شہادت کی وجہ سے ان کو جنت کے جامِ طہور عطا نہ ہوئے ہوں گے؟؟ کیا وہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز نہیں ہوئے ہوں گے؟؟ بہر حال یہ بے بنیاد بات ہے۔ (ماہ محرم الحرام، ص/32)

خلاصہ یہ کہ ماہِ محرم خصوصا نویں اور دسویں محرم کو خصوصیت کے ساتھ سبیلیں لگا کر دودھ یا شربت پلانا، حلیم، چاول یا دیگر کھانے پکا کر تقسیم کرنا؛ یہ تمام تر چیزیں بدعات کے زمرے میں آتی ہیں جن سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

محرم کے ایام میں قصداً زینت ترک کرنا حرام اور ممنوع ہے

جس کو سوگ کہتے ہیں۔ مثلاً: مہندی لگانا اور سر پر تیل لگانا ان ایام میں سوگ کے لیے بعض عورتیں ترک کردیتی ہیں۔ اس کا حکم شرع شریف میں یہ ہے کہ مرد کے لیے سوگ کسی جگہ جائز نہیں، اور عورت کو خاوند کی وفات پر چار مہینہ دس دن یا وضعِ حمل تک سوگ کرنا واجب ہے اور

دوسرے عزیزوں کی وفات پر صرف تین دن تک جائز ہے۔سو اب تیرہ سو سال کے بعد شہدائے کربلا کا سوگ کرنا بلاشبہ حرام ہے۔ اسی طرح بعض لوگ ان ایام میں شادی بیاہ کرنے اور خوشی کرنے سے سوگ کی وجہ سے رُک جاتے ہیں۔بعض میاں بیوی کے خاص تعلقات کو ان دنوں میں بُرا سمجھتے ہیں۔اسی طرح پان کا کھانا چھوڑ دینا، پلنگ پر نہ سونا بلکہ اس کو اُلٹا کر دینا، عمدہ کپڑے نہ پہننا، چوڑی توڑ دینا، ان دنوں میں شرع سے ثابت نہیں ہے اور نہ شریعت میں ان کاموں کی ایامِ محرم میں کوئی ممانعت آئی ہے۔

محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

(۱) ناجائز ہے کہ وہ مناہی (منع کی ہوئی چیز) ومنکرات (خلاف شرع باتوں) سے مملو (پُر) ہوتے ہیں۔(عرفان شریعت ج ا ص ۱۶)

(۲) اب کہ تعزیہ داری اس طریقۂ نامرضیات کا نام ہے۔وہ قطعاً بدعت، ناجائز وحرام ہے۔(رسالہ تعزیہ داری ص ۳)

تعزیہ بنانا بدعت ہے اس سے دبدبۂ اسلام نہیں ہوسکتا مال کا ضائع کرنا ہی اس کے لئے سخت وعید آئی ہے۔(رسالہ محرم وتعزیہ داری ص ۶۰)

جنگ جمل کا واقعہ

ابونعیم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی تم میں سے سرخ اونٹ والی نکلے گی یہاں تک کہ اس پر حواب کے کتے بھونکیں گے اور اس کے گرد بہت سے لوگ مارے جائیں گے اور وہ نجات پائے گی، جب کہ وہ قتل ہونے کے قریب ہوگی۔

یہ بات اسی طرح پوری ہوئی اور یہ واقعہ حضرت عائشہ کو پیش آیا جو جنگ حضرت علی اور حضرت عائشہؓ کے درمیان واقع ہوئی جس کو جنگ جمل کہتے ہیں حضرت عائشہ کو یہ واقعہ پیش آیا جب آپ حواب کے مقام پر پہنچیں تو آپ جس اونٹ پر سوار تھیں وہ سرخ رنگ کا تھا وہاں کی بستی کے کچھ کتے بھونکے اور اس حواب کے کنارے دونوں فریق میں جنگ ہوئی اور بہت سے آدمی مارے گئے حواب ایک پانی کا نام ہے یہ کوئی بڑا تالاب تھا جس رات کی صبح کو حضرت علی اور حضرت عائشہ کی ملاقات ہونے والی تھی اور صلح کی بات چیت ہوکر معاملہ ختم ہونے والا تھا، اسی رات قاتلان عثمان میں سے بعض شرارت پسندوں نے یہ گل کھلایا اور دونوں طرف تیر پھینکنے شروع کر دیے حضرت عائشہ کے لشکر میں یہ مشہور کر دیا کہ علی نے غدر کیا اور حضرت علی کے لشکر میں یہ شہرت دی کہ حضرت عائشہ نے عہد شکنی کی، کہتے ہیں کہ یہ شرارت عبداللہ بن سبا کے مشورہ سے کی گئی حضرت عائشہ نے جب پانی کا نام معلوم کیا تو لوگوں نے حواب بتایا، آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات یاد آئی اور آپ نے لوٹنے کا ارادہ کر لیا لیکن مروان نے آپ کے روبرو بہت سی شہادتیں دلوا دیں کہ نہیں اس پانی کا نام حواب نہیں حضرت عائشہ پر جو لوگ حملہ کی غرض سے بڑھتے تھے انہوں نے موقعہ پا کر اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور حضرت عائشہ کا ہودج زمین پر گر پڑا حضرت عائشہ کو ان کے بھائی محمد بن ابی بکر اٹھا کر لے گئے اس جنگ میں حضرت حضرت طلحہ اور حضرت زبیر حضرت عائشہ کے ہمدرد اور ان کے ہمراہ تھے ظاہر ہے کہ یہ اختلاف محض قاتلان عثمان سے انتقام لینے کے سلسلہ میں تھا جو بدقسمتی سے جنگ کی شکل اختیار کر گیا اور لوگوں نے اپنی مسموم خواہش کو پورا کر لیا بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پیشن گوئی فرمائی تھی وہ پوری ہوئی۔ (انوار اسلام ص/ 1724)

یزید کی جانشینی وتخت نشینی

رجب ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ کا انتقال ہوا ان کے بعد یزید جس کی بیعت وہ اپنی زندگی ہی میں لے چکے تھے، ان کا جانشین ہوا، تختِ حکومت پر قدم رکھنے کے بعد یزید کے لئے سب سے اہم

معاملہ حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ کی بیعت کا تھا، کیونکہ یزید کی ولیعہدی کی بیعت کے وقت ان دونوں نے اس کو نہ دل سے تسلیم کیا تھا اور نہ زبان سے اقرار کیا تھا اور ان کے بیعت نہ کرنے کی صورت میں خود ان کی جانب سے دعویٰ خلافت اور حجاز میں یزید کی مخالفت کا خطرہ تھا، کیونکہ ان کے دعویٰ خلافت سے سارا حجاز یزید کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا اور حسینؓ کی وجہ سے عراق میں بھی شورش بپا ہو جاتی جیسا کہ آئندہ چل کر ابن زبیرؓ کے دعویٰ خلافت کے زمانہ میں ہوا کہ شام کے بعض حصوں کے سوا قریب قریب پورا ملک ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گیا، ان اسباب کی بنا پر اپنی حکومت کی بقا اور تحفظ کے لئے یزید نے ان دونوں سے بیعت لینا ضروری سمجھا گو یہ اس کی ناعاقبت اندیشی تھی اگر وہ سمجھداری سے کام لے کر ان بزرگوں کو ساتھ ملا لیتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ ناگوار واقعات پیش نہ آتے جنہوں نے نہ صرف یزید کو ساری دنیا میں بدنام؛ بلکہ اموی حکومت کو لوگوں کی نگاہوں میں مطعون کر دیا، جس کا اثر اموی حکومت پر بہت برا پڑا۔

بنی امیہ کے خلاف عباسیوں کی دعوت میں کامیابی کا ایک بڑا سبب حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ بھی تھا۔

لیکن یزید نے ان پہلوؤں کو نظر انداز کر کے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کے نام ان دونوں سے بیعت لینے کا تاکیدی حکم بھیجا، ابھی تک مدینہ میں امیر معاویہؓ کی وفات کی خبر نہ پہنچی تھی، ولید کے لئے اس حکم کی تعمیل بہت مشکل تھی، وہ اس کے انجام سے واقف تھا، اس لئے بہت گھبرایا اور اس نے اپنے نائب مروان سے مشورہ کیا، مروان سخت مزاج تھا اس نے کہا دونوں کو اسی وقت بلا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کرو اگر مان جائیں تو فبہا اور اگر ذرا بھی لیت ولعل کریں تو سر قلم کر دو، ورنہ ان لوگوں کو معاویہ کی موت کی خبر مل گئی تو پھر ان میں سے ہر ایک شخص ایک ایک مقام پر خلافت کا مدعی بن کر کھڑا ہو جائے گا اور اس وقت سخت دشواری پیش آئے گی۔

اس مشورہ کے بعد ولید نے ان دونوں کو بلا بھیجا، اولاً یہ طلبی ایسے غیر معمولی وقت میں ہوئی تھی جو ولید کے ملنے کا وقت نہ تھا دوسرے امیر معاویہؓ کی علالت کی خبریں مدینہ آچکی تھیں ان قیاسات سے دونوں آدمی سمجھ گئے کہ امیر معاویہؓ کا انتقال ہوگیا ہے اورانہیں بیعت کے لئے بلایا گیا ہے، تاکہ معاویہ کی موت کی خبر پھیلنے سے پہلے ہی مدینہ میں بیعت لے لی جائے، حضرت حسینؓ کو اندازہ تھا کہ انکار بیعت کی صورت میں کس حد تک معاملہ نزاکت اختیار کرسکتا ہے، اس لئے اپنی حفاظت کا سامان کر کے ولید کے پاس پہنچے اور مکان کے باہر آدمیوں کو متعین کردیا تاکہ اگر کوئی ناگوار شکل پیش آئے تو وہ لوگ فوراً آپ کی آواز پر پہنچ جائیں، ولید نے انہیں امیر معاویہؓ کی موت کی خبر سنا کر یزید کی بیعت کے لئے کہا، حضرت حسینؓ نے تعزیت کے بعد یہ عذر کیا کہ میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کرسکتا، اور نہ میرے لئے خفیہ بیعت کرنا زیبا ہے جب تم عام بیعت کے لئے لوگوں کو بلاؤ گے تو میں بھی آجاؤں گا اور عام مسلمان جو صورت اختیار کریں گے اس میں مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا، ولید نرم خو اور صلح پسند آدمی تھا اس لئے رضا مند ہوگیا اور حضرت حسینؓ لوٹ گئے ،مروان جس نے زبردستی بیعت لینے اور انکار کی صورت میں قتل کردینے کی رائے دی تھی ولید کی اس نرمی اور صلح پسندی پر بہت برہم ہوا اور کہا تم نے میرا کہنا نہ مانا، اب تم ان پر قابو نہیں پا سکتے، ولید بولا افسوس تم فاطمہؓ بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لڑکے حسینؓ کے خون سے میرے ہاتھ آلودہ کرنا چاہتے ہو خدا کی قسم قیامت کے دن حسینؓ کے خون کا جس سے محاسبہ کیا جائے گا، اس کا پلہ خدا کے نزدیک ہلکا ہوگا۔ (ابن اثیر: ۴/ ۱۰ و اخبار الطوال: ۲۴۱)

یزید کی تخت نشینی اور کبار صحابہ کا بیعت سے انکار

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال سے پہلے انہوں نے یزید کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا

تھا کہ میرا گمان یہ ہے کہ اہل عراق حسین رضی اللہ عنہ کو تمہارے مقابلے میں لائیں گے، اگر ایسا ہو اور تم مقابلے میں کامیاب ہو جاؤ تو حسین سے درگزر کرنا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کی بنا پر وہ احترام کے مستحق ہیں، تمام مسلمانوں پر ان کا بڑا حق ہے۔تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی یزید نے پہلا کام یہ کیا کہ مدینہ منورہ کے حاکم ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا کہ جن لوگوں نے میری بیعت کی مخالفت کی ہے ان سب کو بیعت پر مجبور کیا جائے، خاص طور پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو کسی بھی حال میں مہلت نہ دی جائے یہ خط پڑھتے ہیں اس نے ان حضرات کو مسجد نبوی میں بلا بھیجا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ اس مجلس کا مقصد یقینی طور پر یزید کی خلافت پر بیعت لینا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس دنیا میں نہیں رہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ دوسرے حضرات کے مشورہ سے ولید کے پاس پہنچے، ولید نے ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دی اور یزید کی خلافت پر بیعت کا مطالبہ کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بیعت کا معاملہ ہے میں خفیہ طور پر کچھ کرنا یا کہنا نہیں چاہتا آپ عامۃ المسلمین کو جمع کر لیں میں اسی وقت جو کہنا چاہوں گا کہوں گا، یہ کہہ کر وہ مجلس سے اٹھ گئے اور خاموشی کے ساتھ مکہ مکرمہ چلے گئے یہی طریقہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی اختیار کیا، اس طرح ولید کو ناکامی ہاتھ لگی جس کا خمیازہ اسے اپنے منصب حکومت گنوا کر بھگتنا پڑا، اس کی جگہ عمرو بن سعید اشدق کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا گیا، اس نے عبداللہ ابن زبیر کے بھائی عمر ابن الزبیر کو ان حضرات کی گرفتاری پر مامور کیا، یہ شخص دو ہزار نوجوانوں کو لے کر مکہ پہنچا، اس نے ان حضرات کو گرفتار کرنا چاہا مگر ناکام واپس ہوا جن دنوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے، اطراف واکناف کے لوگ ان کی زیارت وملاقات کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ (ماہ محرالحرام کی فضیلت، ص/ 77)

واقعۂ کربلا اور تاریخی حقائق

دسویں محرم الحرام کو اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کے یہاں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے، اور اس کی کئی ساری وجوہات ہیں لیکن سب سے زیادہ ہے وہ اس کا تذکرہ واقعہ کربلا کی وجہ سے ہوتا ہے کیوں یہ حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت سے جڑا معاملہ ہے پوری تاریخ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ اور جانشیں بنے۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تیسرے نمبر پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ خلیفہ بنے۔ حضرت عثمان غنی کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو مسلمانوں نے خلیفہ تسلیم کرلیا۔ اس دوران حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی کے درمیان کچھ اختلاف ہوا، اور پھر معاملہ بہتر ہوگیا۔ آپس میں صلح سمجھوتہ ہوگیا۔ 661 عیسوی میں حضرت علی رضی اللہ تعالی شہید ہوگئے۔ ان کے بعد لوگوں نے حضرت علی کے بڑے بیٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ حضرت حسن کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔ ادھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طویل عرصہ سے شام کے گورنر تھے۔ حضرت علی کے بعد انہوں نے بھی اپنی خلافت کا اعلان کردیا۔ کچھ عرصہ تک اختلاف رہا اور پھر ۶ ماہ بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ نے خلافت چھوڑنے کا اعلان کردیا۔ حضرت امیر معاویہ اور حضرت حسن کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا جس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ حضرت امیر معاویہ اپنے بعد اپنے خاندان میں خلافت کو منتقل نہیں کریں گے بلکہ شوریٰ کے ذریعہ انتخاب ہوگا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پچھلے بیس سال یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے شام کے گورنر تھے اور اب وہ عالم اسلام کے متفقہ خلیفہ بن گئے۔ مسلمانوں کے درمیان جاری رسہ کشی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ حضرات میر معاویہ نے عالم اسلام کی بہتری کیلئے کئی اہم فیصلہ کئے اور کئی تاریخی کارنامہ انہوں نے انجام دیا۔ انہوں نے

بحری بیڑہ فوج کی تشکیل دی۔اس طرح سمندری فوج تشکیل دینے والے وہ پہلے خلیفہ ہیں۔انہوں نے قسطنطنیہ پر بھی حملہ کیا۔اسی جنگ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوئے تھے جوشہید ہو گئے اور انہیں وہیں تدفین کیا گیا۔آج تک ان کی قبر استنبول میں موجود ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے بعد اپنا جانشیں اور عالم اسلام کا خلیفہ اپنے بیٹے یزید کو مقرر کر دیا اور مسلمانوں سے کہا کہ وہ فیصلہ کو قبول کریں۔اسلامی تاریخ میں اس کیلئے بیعت کا ٹرم استعمال ہوتا ہے۔مطلب یہ کہ مسلمان یزید کی بیعت کریں۔جب یہ فیصلہ ہوا تھا اس وقت سینئر اور جید صحابہ کرام مدینہ میں موجود تھے۔حضرت امیر معاویہ نے مدینہ کے گورنر مروان بن حکم سے کہا کہ وہ مدینہ میں سبھی سے یزید کیلئے بیعت لیں۔مدینہ کے سینئر صحابہ نے انکار کر دیا جن میں حضرت حسین ابن علی۔حضرت عبداللہ ابن زبیر۔حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر کے نام بہت اہم ہیں۔صحابہ کرام کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ حضرت امیر معاویہ نے اپنے بیٹے کو اگلا خلیفہ مقرر کر دیا جو اسلامی مزاج اور شریعت کے خلاف سمجھا گیا۔اس سے پہلے کسی بھی خلیفہ نے اپنی اولاد اور رشتہ دار کو اپنا ولی عہد اور اپنے بعد خلیفہ منتخب نہیں کیا تھا۔یہ فیصلہ حضرت حسن کے ساتھ ہوئے معاہدے کے بھی خلاف تھا۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیوں کیا اس کی کوئی خاص اور ٹھوس وجہ نہیں ملتی ہے۔کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ انہیں ان سے دشمنی رکھنے والے ایک حاکم نے مشورہ دیا تھا تا کہ معاویہ کی شاندار کارکردگی اور تاریخی کارنامے کے بجائے انہیں اس معاملہ کیلئے یاد رکھا جائے کہ امیر معاویہ نے ہی خلافت اولاد کو منتقل کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔بہر حال امیر معاویہ ایک عظیم، کامیاب، عادل اور انصاف پرور خلیفہ ثابت ہوئے۔وہ 661 سے 680 تک تقریباً بیس سال خلیفہ رہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے لمبی مدت تک امیر معاویہ ہی خلیفہ رہے۔اپریل 680 عیسوی میں حضرت امیر معاویہ کا انتقال ہو گیا۔وصیت کے

مطابق یزید اگلے خلیفہ منتخب ہوئے۔سینئر صحابہ کرام نے یزید کو خلیفہ تسلم کرنے سے انکار کر دیا۔دوسری طرف کوفہ سے حضرت حسین رضی اللہ تعالی کے شیداؤں نے خط لکھا کہ آپ کوفہ تشریف لائیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔آپ کو خلیفہ تسلیم کریں گے۔ہم لوگ یزید کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ کوفہ سے تقریباً 18 ہزار خطوط حضرت حسین کو موصول ہوئے۔حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے کوفہ جانے کا فیصلہ کرلیا۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ماننا تھا کہ یزید کا خلیفہ رہنا ظالم کی حکومت کو تسلیم کرنا ہے۔ یزید کی خلافت اسلام اور شریعت کے خلاف ہے۔دوسری طرف یزید بن معاویہ کی ذاتی شخصیت بھی تنازع کا شکار تھی۔کہا جاتا ہے کہ یزید شکار، تفریح اور شراب کا عادی تھا۔لوگوں کا بھی ماننا تھا کہ ان میں خلیفہ بننے کی اہلیت اور صلاحیت نہیں ہے۔

یزید ہر حال میں حضرت حسین سے بیعت لینا چاہتا تھا کیوں کہ حضرت حسین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ تھے۔ان کی بیعت کے بعد ہی یزید کی خلافت مستحکم ہوسکتی تھی اور عالم اسلام میں خلافت کی اہمیت تسلیم کی جاتی۔حضرت حسین اسے نااہل سمجھتے تھے اور اسے ہٹانا اپنا فرض گردانتے تھے۔

کوفہ والوں پر بھروسہ کرتے ہوئے حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ پہلے مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے۔وہاں اہل بیت، جاں نثاروں اور ساتھیوں کے ساتھ کوفہ کیلئے نکل گئے۔مکہ میں اس وقت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ تھے۔انہوں نے حضرت حسین کو روکا اور کہا کہ آپ یہیں رہیں نہیں جائیں۔مکہ میں ہی رک کر خلافت قائم کرنے کی کوشش کریں۔حضرت حسین نے کہا کہ ہم حق کے خاطر ہر حال میں جائیں گے۔حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ آپ بچوں اور خواتین کو ساتھ لیکر نہیں جائیں۔اور بھی کئی لوگوں نے روکنے کی کوشش کی لیکن حضرت حسین کا ارادہ پختہ تھا وہ رکے نہیں اور یہاں سے کوفہ کیلئے روانہ ہو گئے۔

دوسری طرف یزید کو پورے معاملے کا علم ہو چکا تھا۔ کوفہ میں ان کے گورنر اس وقت نعمان بن بشیر تھے۔ کوفہ میں یزید کے خلاف اور حضرت حسین کی حمایت میں ہونے والی سبھی سرگرمیوں پر ان کی پوری نگاہ تھی لیکن وہ اسے نہیں روک رہے تھے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ نعمان بن بشیر بنوامیہ کے گورنر ضرور تھے لیکن وہ بھی یزید کو خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ یزید کے جاسوسوں نے انہیں نعمان بشیر کے بارے میں خبردار کیا اور کہا کہ فوری طور پر گورنر تبدیل کیا جائے۔ یزید نے فوری قدم اٹھاتے ہوئے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ عبید اللہ بن زیادہ خاندان بنوامیہ کا بہت بڑا شیدائی اور حضرت حسین کا بہت بڑا دشمن تھا۔ اس نے پورے کوفہ کی چھان بین شروع کر دی۔ بصرہ میں بھی اس نے ناک بندی کر دی۔ ہر جگہ فوج تعینات کر دیا آج کی زبان میں کہیے کہ کوفہ اور بصرہ میں عبید اللہ بن زیادہ نے سخت کرفیو لگا دیا اور ایک ایک کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالی سے رابطہ کرنے والوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ عبید اللہ بن زیاد نے زیادہ تر کو قتل کر دیا اور کچھ گرفتار کر لیا۔ کوفہ میں حضرت حسین نے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیج رکھا تھا یہ جاننے کیلئے کوفہ والے کتنے سچے اور وفادار ہیں۔ کیا وہ واقعی ہمارے ساتھ وفاداری نبھائیں گے یا دھوکہ دیں گے۔ حضرت مسلم بن عقیل جب کوفہ گئے تو لوگوں نے ساتھ دیا۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن جب عبید اللہ بن زیادہ نے کوفہ آنے کے بعد سختیاں شروع کی۔ حضرت حسین سے تعلق رکھنے کے شک میں لوگوں کو قتل کیا تو یہ سبھی پیچھے ہٹ گئے۔ انہیں لوگوں نے مسلم بن عقیل کو عبید اللہ بن زیادہ کے حوالے کر دیا جنہیں قتل کر دیا گیا۔ مسلم بن عقیل نے قتل سے پہلے ایک شخص سے کہا کہ تم حضرت حسین کو میرا صرف یہ پیغام پہونچا دو کہ وہ کوفہ والوں پر بھروسہ نہیں کریں۔ یہ وفادار نہیں ہیں۔

ادھر کوفہ کے راستے میں حضرت حسین کو جگہ جگہ گھیرنے کی کوشش کی گئی لیکن اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہے۔ عرب کے صحراؤں سے نکلنے کے بعد جب عراق کا راستہ شروع ہوا تو عبید

اللہ بن زیاد کی چار ہزار فوج نے راستہ روک لیا اور کہا آپ کوفہ نہیں جا سکتے ہیں۔اسی دوران حضرت حسین کو مسلم بن عقیل کا وہ خط بھی مل گیا جو انہوں نے اپنے قتل سے پہلے بھیجا تھا کہ کوفہ والوں نے بے وفائی کی ہے۔ان پر ہرگز بھروسہ نہیں کریں۔حضرت حسین نے یزید کی فوج سے درخواست کی میری تین مانگ میں سے کوئی ایک قبول کرو۔نمبر ایک: مجھے واپس مدینہ منورہ جانے دو۔نمبر دو: تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور مجھے جانے دو، میں دنیا کے کسی بھی کونے میں چلا جاؤں گا اور وہاں کافروں کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہونا چاہتا ہوں۔اگر یہ دونوں منظور نہیں ہے تو تم ہمیں یزید کے پاس لے چلو یہ ہم دونوں کا معاملہ ہے براہِ راست مل کر معاملہ حل کریں گے۔عبید اللہ بن زیاد نے ان میں سے کسی بھی شرط کو تسلیم نہیں کی اور اپنے سپہ سالار عمرو بن سعد بن ابی وقاص سے کہا کہ اسے وہاں لیکر جاؤ جہاں ہم چاہتے ہیں۔

عبید اللہ بن زیاد کی ہدایت تھی کہ حضرت حسین کو وہاں روکنا ہے جہاں چٹیل میدان ہو۔ اس فرمان پر سپہ سالار نے عمل کرتے ہوئے 2 محرم الحرام 61ھ۔2 اکتوبر 680ء کو حضرت حسین کو روک دیا۔اس چٹیل میدان کا نام کربلا تھا۔حضرت حسین نے پہلے وہاں پر ایک جگہ خرید کر اپنا کیمپ لگایا۔یزید اپنے گورنروں کے ذریعہ اپنی باتوں کو قبول کرنے کے لیے امام حسین پر دباؤ ڈالتا رہا، جب امام حسین نے یزید کی شرائط کو نہیں مانا تو آخر کار دشمنوں نے نہر پر فوج کا پہرہ لگایا اور پانی کو حضرت حسین کے کیمپوں میں داخل ہونے سے روک دیا۔7 محرم کے بعد حضرت حسین اور ان کے پورے جاں نثاروں اور اہل بیت کو پیاسے رہنے پر مجبور کر دیا۔نہر سے پانی نہیں لینے دیا۔یزید کی فوج کو دیکھ کر کوفہ عراق کے لوگ، جنہوں نے اپنا خلیفہ بنانے کے لیے امام حسین کو بلایا تھا، وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

تین دن گزر جانے کے بعد، جب امام کے گھر والوں کے بچوں کو پیاس لگنے لگی، تو حسین نے

یزیدی فوج سے پانی طلب کیا، دشمن نے پانی دینے سے انکار کر دیا، دشمنوں نے سوچا کہ امام حسین پیاس سے ٹوٹ کر ہمارے تمام حالات کو قبول کر لیں گے۔ جب تین دن کی پیاس کے بعد بھی حسین نے یزید کی بات نہیں مانی تو دشمنوں نے حسین کے کیمپوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت حسین نے ایک رات کی دشمنوں سے مہلت طلب کی اور کہا کہ آج رک جاؤ۔ اس رات حضرت حسین اور ان کے اہل خانہ نے اللہ کی عبادت کی۔

10 اکتوبر 680ء 10 محرم 60 ہجری کو، نمازِ فجر کے بعد یزید کی فوج کو مخاطب کر کے حضرت حسین نے ایک تقریری کی۔

اے لوگو! جلدی نہ کرو، پہلے میری بات سن لو۔ مجھ پر تمہیں سمجھانے کا جو حق ہے اسے پورا کر لینے دو اور میرے آنے کی وجہ بھی سن لو۔ اگر تم میرا عذر قبول کر لو گے اور مجھ سے انصاف کرو گے تو تم انتہائی خوش بخت انسان ہو گے لیکن اگر تم اس کے لیے تیار نہ ہوئے تو تمہاری مرضی۔ تم اور تمہارے شریک مل کر میرے خلاف زور لگا لو اور مجھ سے جو برتاؤ کرنا چاہتے ہو کر ڈالو۔ اللہ تعالیٰ میرا کارساز ہے اور وہی اپنے نیک بندوں کی مدد کرتا ہے"

لوگو! تم میرے حسب ونسب پر غور کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں۔ اپنے گریبانوں میں جھانکو اور اپنے آپ کو ملامت کرو۔ تم خیال کرو کیا تمہیں میرا قتل اور میری توہین زیب دیتی ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ اور ان کے چچیرے بھائی کا بیٹا نہیں۔ جنہوں نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہی اور اس کے رسول پر ایمان لائے؟ کیا سید الشہداء حضرت امیر حمزہ میرے والد کے چچا نہ تھے؟ کیا جعفر طیار میرے چچا نہ تھے؟ کیا تمہیں رسول اللہ کا وہ قول یاد نہیں جو انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا تھا کہ دونوں نوجوانان جنت کے سردار ہوں گے؟ اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے تو بتاؤ کہ تمہیں ننگی تلواروں سے میرا مقابلہ کرنا ہے؟ اور اگر تم مجھے

جھوٹا سمجھتے ہو تو آج بھی تم میں سے وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے میرے متعلق رسول اللہ کی حدیث سنی ہے۔تم ان سے دریافت کر سکتے ہو۔تم مجھے بتاؤ کہ کیا آپ کی اس حدیث کی موجودگی میں بھی تم میرا خون بہانے سے باز نہیں رہ سکتے۔

کوفیوں اور یزید کی فوج پر اس تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔صرف حر بن یزید تمیمی پر اس تقریر کا اثر ہوا اور وہ یہ کہتے ہوئے حضرت حسین کی طرف آ گیا کہ یہ جنت یا دوزخ کے انتخاب کا موقع ہے۔میں نے جنت کا انتخاب کرلیا ہے خواہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔

اس کے بعد لڑائی شروع ہوئی۔مؤرخین نے اسے جنگ لکھا ہے لیکن سچائی یہ ہے کہ یہ جنگ نہیں تھی۔شریعت کی خاطر جان دینے والوں کا ایک مختصر سا قافلہ تھا جس نے اپنی جان قربان کر کے آنے والی نسلوں کو حق کی خاطر جان دینے کا جذبہ اور حوصلہ دیا۔یزید کی فوج تقریباً 45 ہزار تھی۔دوسری طرف صرف 72 جاں نثار موجود تھے۔حضرت حسین جب مکہ سے روانہ ہوئے تھے تو ان کے ساتھ پانچ سو سے زیادہ لوگ تھے لیکن راستے میں سب جدا ہو گئے، کچھ آخری رات میں کربلا کے میدان سے نکل گئے۔امام حسین کے ساتھ صرف 75 یا 80 مرد تھے، جن میں 6 ماہ سے 13 سال تک کے بچے بھی شامل تھے۔

حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں نے دشمن کی صفوں پر ٹوٹ کر حملہ کیا۔شجاعت اور بہادری کی تاریخ رقم کردی لیکن ایک ایک کر کے سبھی 72 جاں نثار شہید ہو گئے، اخیر میں حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔لیکن ان میں سے کوئی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا گناہ اپنے سر نہیں لینا چاہتا تھا۔بالآخر شمر ذی الجوشن کے اکسانے پر زرعہ بن شریک تمیمی نے یہ بدبختی مول لی اور حضرت حسین کے ہاتھ اور گردن پر تلوار سے حملہ کیا۔سنان بن انس نے تیر چلایا جس کے بعد حضرت حسین گر گئے۔ان کے گرنے پر شمر ذی الجوشن آگے بڑھا اور اس ملعون نے حضرت حسین کا سر پیچھے کی طرف سے (پسِ گردن سے) کاٹ کر جسم سے جدا کر دیا۔

عبیداللہ ابن زیاد کے حکم پر حضرت حسین کا سر الگ کر کے جسم کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند دیا گیا۔اس کے بعد تمام شہدائے اہلِ بیت کے سر کو نیزوں کی نوک پر رکھ کر پہلے ابنِ زیاد کے دربار میں لے جا گیا اس کے بعد دمشق میں یزید کے دربار پہونچایا گیا۔اہل بیت کی سبھی خواتین کو بھی یزید کے دربار میں پہونچایا گیا۔

یزید نے اپنے دربار میں حضرت حسین کا سر دیکھ کر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔قتل کرنے میں جلدی کی۔میں ہوتا تو معاف کر دیتا۔کچھ دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ یزید نے خوشی کا اظہار کیا۔کربلا کے میدان میں جتنے مرد تھے سبھی شہید ہو گئے۔صرف حضرت زین العابدین زندہ بچے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بیمار ہونے کی وجہ سے جنگ میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور علی بن حسین جنہیں عمر بن سعد نے بچا لیا۔دمشق میں یزید نے حضرت حسین اور ہاشمی خاندان کی خواتین کے ساتھ حسن سلوک کیا۔کربلا میں ان کے جو سامان لوٹ لئے گئے تھے اسے واپس کروا دیا۔اپنے محل میں سبھی کو بطور مہمان رکھا اور پھر انہیں ایک قافلہ کی نگرانی میں پورے اعزاز کے ساتھ مدینہ واپس بھجوا دیا۔

کربلا کے واقعہ نے عالم اسلام اور مسلمانوں پر گہرا اثر چھوڑا ایک طرف جہاں یہ حادثہ حق اور صداقت کی خاطر جان دینے کیلئے مثال بن گیا تو دوسری طرف مسلمان بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔سنی اور شیعہ۔شیعوں نے اس واقعہ کو اپنی ثقافت کا سب سے اہم واقعہ مان لیا۔اس واقعہ کا ہر لمحہ شیعوں کے یہاں انتہائی اہم ہے۔دوسری طرف اسے ایک جنگ کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس کا مقصد نا اہل خلیفہ کو برطرف کرنا تھا لیکن بدقسمتی سے کامیابی نہیں مل سکی۔

مسلمانوں کے درمیان اب یزید تاریخ کا ایک ایسا کردار ہے جس پر ایک طرف سبّ وشتم اور تنقید کی بوچھاڑ ہوتی ہے تو دوسری جانب ردعمل کے طور پر کچھ لوگ یزید کی پارسائی اور مناقب بیان

کرنے کا محاذ سنبھال لیتے ہیں۔یوں دونوں جانب کی کھینچا تانی نے حقائق کو کافی حد تک مسخ کیا ہے۔
اس سلسلے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا موقف نہایت معتدل اور حقیقت پر مبنی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ یزید کے بارے میں تین گروہ پائے جاتے ہیں۔ایک گروہ اس کی تحسین و تعظیم کرتا ہے اور اس سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔دوسرا گروہ اس پر سبّ وشتم اور لعنت بھیجتا ہے اور اس کی تکفیر ضروری سمجھتا ہے۔تیسرا موقف ہمارا ہے کہ ہم نہ اس سے محبت کرتے ہیں، نہ اس کی تعظیم و تحسین اور نہ ہی اس کو گالیاں دیتے ہیں اور نہ ہی کافر سمجھتے ہیں۔امت کا معتدل طبقہ اسی قول پر عمل پیرا ہے۔

10 ویں محرم الحرام کو جلوس نکالنے۔تعزیہ بنانے اور مجلس منعقد کا سلسلہ اسی کربلا کے میدان اور حضرت حسین کی دردناک شہادت سے جڑا ہوا ہے۔کچھ لوگ اسے بدعت مانتے ہیں اس طرح کے کاموں کو گناہ سمجھتے ہیں۔کچھ لوگ اسے ثقافت اور مذہب کا حصہ سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہا کی کوفہ روانگی

اہل کوفہ کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ حضرت معاویہ وفات پا چکے ہیں اور حجاز کے سرکردہ حضرات نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے،کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت حسین کو خط لکھا کہ آپ فورا کوفہ تشریف لے آئیں،ہم آپ کے دست حق پر بیعت کرنا چاہتے ہیں، یزید کی خلافت پر ہم بھی متفق نہیں ہے،کوفہ والوں نے اسی ایک خط پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یکے بعد دیگرے متعدد خطوط لکھے، یہاں تک کہ ان خطوط سے دو تھیلے بھر گئے تھے،تمام خطوط میں یہی بات تھی کہ ہم یزید کی خلافت سے اتفاق نہیں کرتے آپ خود یہاں تشریف لے آئیں،کوفے کا بچہ بچہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتا ہے،خطوط کے ساتھ ساتھ کچھ وفود بھی آئے، اور انہوں نے بھی یہی درخواست کی،حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا متاثر ہونا فطری تھا وہ ایک دانشمند اور زیرک انسان

تھے، اس لیے انہوں نے بہتر سمجھا کہ کوفہ جانے سے پہلے کسی معتمد قاصد کو بھیج کر حالات معلوم کر لیے جائیں، اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ روانہ کیا، مسلم بن عقیل نے اپنے چند روزہ قیام کے دوران یہ محسوس کیا کہ کوفہ کے عام مسلمان یزید سے متنفر ہیں، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے بے چین و بیقرار ہیں، یہ دیکھ کر انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لینا شروع کر دی اور ابتدائی چند دنوں میں بیعت کرنے والوں کی تعداد اٹھارہ ہزار سے تجاوز کر گئی، مسلم بن عقیل نے یہ اطمینان بخش صورت حال دیکھ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لکھ دیا کہ وہ کوفہ آ سکتے ہیں، مگر ابھی خط حضرت حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچا بھی نہ تھا کہ اچانک تبدیل ہو گئے اور کوفے کے حاکم نعمان ابن بشیر جو فطرتاً صلح جو قسم کے انسان تھے، حضرت معاویہ کے مشیر خاص سرجوان کے مشورے سے نعمان بن بشیر کو برخاست کر دیا اور کوفے کی امارت پر عبید اللہ ابن زیاد کو منتخب کر دیا، اور یہ کہا کہ جہاں بھی خلیفہ وقت یزید کا کوئی مخالف پایا جائے اسے اسی وقت سولی پر لٹکا دیا جائے، اس اعلان کے بعد کوفے کے لوگوں میں سراسیمگی پھیل گئی، جن لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مسلم بن عقیل سے بیعت کی تھی وہ کونوں کھدروں میں منہ چھپانے لگے، کچھ وقت گزرا تھا کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ تنہا رہ گئے، اخیرش مسلم بن عقیل گرفتار کر لیے گئے اور انہیں قصر امارت کی فصیل پر لے جا کر قتل کر دیا گیا، ابن عقیل رضی اللہ عنہ کو جیسے ہی حالات کی تبدیلی کا اندازہ ہوا انھوں نے محمد بن اشعث کے ذریعے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ پیغام بھجوایا کہ آپ راستے سے ہی واپس چلے جائیں ہرگز قصد نہ کریں، اہل کوفہ کے خطوط سے دھوکا نہ کھائیں یہ وہی لوگ ہیں جن کی بے وفائی سے مایوس ہو کر آپ کے والد بزرگوار موت کی تمنا کیا کرتے تھے، محمد بن اشعث نے اپنے قاصد کے ذریعے یہ پیغام بھجوا دیا، اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کا قافلہ مقام زبالہ تک پہنچ

چکا تھا، یہ پیغام سن کر بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا سفر جاری رکھنے کا ارادہ منسوخ نہیں کیا اور فرمایا،، جو چیز مقدر ہو چکی ہے وہ ہو کر رہے گی۔

حضرت حسین کی شہادت کی خبر سن کر یزید آبدیدہ ہو گیا

سب سے اول جب زحر بن قیس نے یزید کے دربار میں حضرت حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کی شہادت کی خبر پہنچائی اور غایت خیر خواہی میں اس کو پوری تفصیل سے مزے لے کر بیان کرنے لگا تو یزید انہیں سن کر آبدیدہ ہو گیا اور بولا اگر تم لوگ حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا، ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو اگر میں ہوتا تو خدا کی قسم حسینؓ کو معاف کر دیتا، خدا حسینؓ پر اپنی رحمت نازل کرے، زحر نے انعام واکرام کی طمع میں بڑی لفاظی اور حاشیہ آرائی کے ساتھ شہادت کا واقعہ بیان کیا تھا، لیکن یزید نے اسے کچھ بھی نہ دیا۔ (طبری: ۷/ ۳۷۵)

علامہ ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری جن کو اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص عقیدت ہے اوپر کا واقعہ اپنی تاریخ اخبار الطوال میں اس طرح لکھتے ہیں کہ: جب یزید نے حسینؓ کی شہادت کے واقعات سنے تو آبدیدہ ہو گیا اور کہا تم لوگوں کا برا ہو اگر تم لوگ حسینؓ کو چھوڑ دیتے تو میں زیادہ خوش ہوتا، ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو، خدا کی قسم! اگر میں حسینؓ کے پاس موجود ہوتا، تو ان کو معاف کر دیتا، خدا ابوعبداللہ پر رحمت نازل فرمائے۔ (اخبار الطوال: ۲۷۲)

تین دن تک یزید کے گھر میں حضرت حسین کی شہادت سے کہرام

اہل بیت سے گفتگو کے بعد ان سب کو خاص حرا سرا میں ٹھہرانے کا حکم دیا، یزید خود حضرت حسینؓ کا رشتہ دار تھا، اس کی عورتیں بھی عزیز تھیں، اس لئے ستم رسیدہ قافلہ کے زنانخانے میں داخل ہوتے ہی یزید کے گھر میں کہرام مچ گیا، اور ساری عورتوں نے نوحہ کیا تین دن تک کامل

یزید کے گھر میں ماتم بپا رہا، اس دوران میں یزید برابر زین العابدین کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بلا کر کھلاتا تھا۔ (طبری:۷/۳۷۸)

حضرت علیؓ ومعاویہؓ کے اختلافات کی وجوہات اور حکمتیں

ہم سمجھتے ہیں کہ سیدنا حضرت علی اور سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں اپنی اپنی جگہ پر حق بجانب تھے جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ حدیث "اقضاہم علی" کے مصداق کامل تھے، بہترین قاضی ہمیشہ انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتا ہے اور انتظامی تقاضوں پر اس کی نظر نہیں ہوتی، قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی شرعی شہادتوں کے مطابق صحیح تعیین نہایت دشوار تھی، کسی بڑے سے بڑے ملزم کو بھی شرعی فیصلے کے بغیر مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ محمد بن ابی بکر اور مالک بن اشتعر نخعی جیسے لوگوں کا جرم عدالتی تقاضوں کے مطابق ثابت نہیں ہو سکا تھا، اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہ نے انہیں اگر صوبوں پر عامل (گورنر) مقرر کیا تو وہ اپنی جگہ پر اس میں حق بجانب تھے، جہاں تک انتظامی تقاضوں کا تعلق ہے تو کسی مشتبہ شخص کو گھر کا چوکیدار مقرر کرنا بھی مناسب نہیں چہ جائیکہ اسے صوبے کا عامل بنا دیا جائے۔ حضرت معاویہ بہترین منتظم تھے، بہترین قاضی بہترین منتظم نہیں ہوسکتا اور بہترین منتظم بہترین قاضی نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مہذب معاشروں میں عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ رکھنے پر زور دیا جاتا ہے، بہترین منتظم ہونے کی حیثیت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی جگہ پر یہ سمجھنے میں حق بجانب تھے کہ جن لوگوں پر قتل عثمان کے قوی الزامات اور شبہات ہیں انہیں یوں عامل مقرر کیا جائے تو قاتلین عثمان سے قصاص لینا کیسے ممکن ہے؟

اگر حضرت علی کرم اللہ وجہ کو غلبہ حاصل ہوجاتا تو قاتلین عثمان (رضی اللہ عنہ) اور دیگر مفسدین میں سے کوئی ایک بھی کیفر کردار کو نہ پہنچ پاتا کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہ شرعی شہادتوں

کے بغیر کسی کو مجرم قرار نہیں دے سکتے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذہن سراسر انتظامی تھا اگر انہیں غلبہ حاصل ہو جاتا تو آٹے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا، کیونکہ وہ ہر مشکوک اور مشتبہ شخص پر یقینا ہاتھ ڈالتے، اللہ تعالی نے دونوں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں بچایا کہ دونوں طرف کے مفسدین کی اپنی ہی اشتعال انگیزی سے بالآخر جنگ تک نوبت پہنچی کہ جس میں اکثریت انہی مفسدین کی کام آئی اور وہ اپنے کیفر کردار کو خود اپنے ہاتھوں سے پہنچ گئے، جو لوگ مخلص تھے ان میں سے بھی کچھ درجہ شہادت پر فائز ہوئے ہوں تو اس سے بالآخر دینی فائدہ ہی ہوا کہ ان کی شہادت مفسدین اور باغیوں کی بکثرت ہلاکت کا ذریعہ بنی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت ہی کم ان جنگوں میں شریک ہوئے، یہ جو شور مچایا جاتا ہے کہ ہزاروں صحابہ کرام ان جنگوں میں شہید ہو گئے تھے تو ایسا دعوی کرنے والے زیادہ نہیں تو ایک سو اصحاب ہی کی اصلی اور معتبر فہرست مہیا فرمائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مورد وحی اور معصوم عن الخطاء ہونے کی وجہ سے مدنی ریاست کے بیک وقت منتظم اعلی، قاضی اور فوج کے سربراہ تھے، بعض اوقات کسی مسئلے میں انتظامی اور عدالتی تقاضے باہم متصادم ہوتے ہیں، کبھی انتظامی اور کبھی عدالتی تقاضوں کو مقدم رکھنا ہوتا ہے مثلا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے قتل کا مشورہ دیا جو انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق تھا لیکن انتظامی تقاضوں کے منافی تھا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میں ایسا کروں تو مخالفین کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں، یہ خود ہی اپنے انجام کو پہنچے گا۔ بعد میں اس کی رسوائی سب پر خوب عیاں ہو گئی تو واضح ہوا کہ آپ کا اس کے متعلق رویہ بالکل مناسب تھا اور مثلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ بیت اللہ کی عمارت اسی طرح بنائی جائے جیسے اسے حضرت ابراہیم اور ان کے صاحبزادے حضرت اسمعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا تھا، لیکن انتظامی تقاضوں کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ (انصاف پر مبنی) اپنی اس خواہش کو پورا کروں تو تیری قوم نے ابھی ابھی اسلام قبول کیا ہے، انہیں پریشانی ہوگی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ اقضاہم علی کا مصداق ہونے کی بناء پر ہر حال میں عدالتی تقاضوں کو ملحوظ رکھنے پر اپنی جبلت اور طبیعت کے اعتبار سے مجبور تھے، آخر میں انہیں بھی احساس ہوا کہ انتظامی تقاضوں کو یکسر نظرانداز کرنے سے امن عامہ برقرار نہیں رہ سکتا، چنانچہ جنگ صفین سے واپسی پر آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم معاویہ کی حکومت کو ناپسند مت کرو، کیونکہ اگر تم نے ان کو گم کر دیا تو دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے ایسے کٹ کٹ کر گریں گے جیسے حنظل کا پھل اپنے درخت سے گرتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج8 ص131)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات طیبہ میں قصہ افک (حضرت عائشہ رض پر بہتان کا واقعہ) بظاہر ایک نہایت تکلیف دہ حادثہ تھا لیکن اللہ تعالی نے فرمایا؛- لاتحسبوه شرالكم بل هو خيرلكم ۔یعنی تم اسے اپنے لئے برا خیال نہ کرو بلکہ یہ تمہارے لئے اچھا ہے۔ (سورہ نور)

اسی طرح ہمیں مشاجرات صحابہ کرام میں مثبت پہلو کو سامنے رکھنا چاہئے، تفاضل انبیاء کا شرعی حکم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی رسول یا نبی کی فضیلت ومنقبت اس انداز سے بیان نہ کی جائے کہ جس سے کسی دوسرے نبی کی توہین ہوتی ہو، تفاضل صحابہ میں بھی اسی اصول کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

آج اس پرفتن دور میں ایسا لٹریچر سامنے آرہا ہے کہ جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت اس انداز میں بیان کی گئی ہے کہ اس کے مطالعہ سے عام ناواقف لوگوں کے ذہن میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ناحق شبہات جنم لیتے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کے حق میں اس انداز سے باتیں کی جاتی ہیں کہ اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ناحق شبہات

پیدا ہونے لگتے ہیں، مشاجرات صحابہ کا موضوع نہایت نازک اور حساس ہے یہاں بڑے بڑے لوگوں کے قدم بھی ڈگمگانے لگتے ہیں، کیا یہاں متقدمین اکابر کا سکوت اور توقف ہی سلامتی کا بہترین راستہ نہیں؟؟ اگر کسی کو محاکمہ کا شوق ہے تو تفاضل انبیاء کی طرح تفاضل صحابہ میں بھی شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔ آج امامیہ حضرات کی اسمآء الرجال کی کتب بھی منظر عام پر ہیں، اس امر کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ فریقین کی اسماء الرجال کی کتب سے ایسے راویوں کے حالات پر مزید تحقیقی نظر ڈالی جائے جو دونوں کشتیوں میں سوار ہو کر شعوری یا غیر شعوری طور پر تخریب و تفریق کا سبب بنتے رہے ہیں۔ تاریخی روایات کے بیشتر راوی کذاب مجہول الحال ہیں۔ اکثر روایتیں منقطع ہیں، شاید ہی کوئی روایات ایسی ہوں جو اصول روایت و درایت کی متحمل ہو سکیں۔ بعض متقدمین حضرات کی طرف منسوب تاریخی کتب میں جو نہایت قابل اعتراض مواد موجود ہے تو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ ان کتب میں اہل باطل کی طرف سے مذموم مقاصد کے لئے مواد بھرتی نہ کیا گیا ہو، آج صحابہ کرام کے متعلق کتاب اللہ کی نصوص صریحہ کو تو معاذ اللہ طاق نسیان پر رکھ دیا گیا ہے اور ان غلیظ روایات کا اسیر ہو کر طرح طرح کے وسوسوں کو پرورش پانے کا موقع فراہم کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالی ہماری حفاظت فرمائے اور عقل سلیم کی نعمت اور ہدایت کی نعمت سے نوازے۔ (آمین)

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سابقون الاولون میں شامل ہیں، سورہ نور کی آیت استخلاف کا مصداق ہونے کی بناء پر خلفائے راشدین میں داخل اور احق بالخلافۃ ہیں۔ دراصل خلافت راشدہ علی منہاج النبوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس معجزے کی مدت کے اختتام کے اسباب پیدا ہوئے۔ خلافت راشدہ علی منہاج النبوہ کی اپنے ابتدائی ادوار میں بے مثال کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ نہ صرف خلفائے راشدین احسن الخلائق

تھے بلکہ مسلم رعایا بھی بہترین اخلاق وکردار کی حامل تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور اور حضرت علی رضی اللہ کے زمانے میں نومسلموں کی بہت بڑی تعداد کے ساتھ ساتھ سبائیوں اور منافقین کی خاصی تعداد بھی موجود تھی، حضرت علی کرم اللہ وجہ خلیفہ راشد علی منہاج النبوہ ہونے کی بناء پر تقوی اور پرہیزگاری کے انتہائی بلند مقام پر فائز تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے سلسلے میں وہ مشکوک اور مشتبہ لوگوں پر کھلا ہاتھ ڈالنے سے اس لئے گریزاں تھے کہ کہیں بےقصور لوگ بھی گرفت میں نہ آجائیں، خلفائے راشدین کے بعد کی خلافت کتنی ہی عمدہ کیوں نہ ہو لیکن وہ علی منہاج النبوہ والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی حامل نہیں تھی، خلفائے راشدین علی منہاج النبوہ مقام تقوی سے قطعا نیچے نہیں اتر سکتے تھے، ادھر فتوی یہ ہے کہ امن وامان کی برقراری کے لئے ہر مشتبہ شخص پر ایک حد تک سختی روا ہے ورنہ جرائم کا استیصال ناممکن ہے۔ ان حالات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کا ہونا نعمت عظمی سے کم نہیں جن کی وجہ سے حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ دونوں طرف کے مفسدین کی اپنی اشتعال انگیزی سے جنگ صفین میں یہی لوگ زیادہ تر لقمہ اجل بنے۔ ان میں سبائیوں کی اکثریت بھی اپنے انجام کو پہنچی۔ اس کے باوجود جو بچ رہے بعد کے حالات میں مختار ثقفی اور حجاج بن یوسف جیسے لوگ اللہ تعالی نے ان پر مسلط کردیے۔ یہ مقام عبرت ہے کہ اللہ تعالی نے ایسے غیبی اسباب پیدا فرمائے کہ قاتلین عثمان اور قاتلین حسین رضی اللہ عنہما ایک سال کے اندر ہی اندر اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے، اگرچہ ان حوادث میں بہت سے نیک لوگوں کو بھی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور کئی ایک مرتبہ شہادت پر بھی فائز ہوئے لیکن مفسدین کی اکثریت ایسی مرعوب ومغلوب ہوئی کہ سبائی تحریک زیرزمین کام کرنے پر مجبور ہوگئی۔ اور کوئی چوتھی صدی ہجری میں جا کر انہیں کچھ ابھرنے کا موقع ملا۔

خوب غور کیجیئے جس طرح غزوہ بنی نضیر میں یہودیوں کے کھجوروں کے درخت کاٹنے کے نبوی

حکم کی ایک حد تک تعمیل ناگزیر تھی لیکن ساتھ ہی صحابہ کرام کی ایک جماعت کی طرف سے عدم تعمیل بھی مسلمانوں کے بہترین مفاد میں تھی، اسی طرح سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی اگرچہ شرعا مطلوب تھی لیکن ساتھ ہی صحابہ کرام کی ایک جماعت کی طرف سے عدم بیعت بھی امت کے بہترین مفاد میں تھی، جس طرح غزوہ بنی نضیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی عدم تعمیل پر پیدا ہونے والے اشکال کا اللہ تعالی نے سورہ حشر میں یہ کہہ کر ازالہ فرمایا کہ یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوا، یعنی کسی بھی فریق پر کوئی الزام نہیں ہے، اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہ کی بیعت نہ کرنے سے پیدا ہونے والے اشکال کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ فرما کر ازالہ فرمادیا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے، اللہ تعالی اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کروائے گا، چنانچہ اس صلح کے بعد فریقین پر کوئی الزام باقی نہ رہا۔

ہمیں ایمان اس لئے عزیز ہے کہ اس کے مقابلے میں کفر موجود ہے، عافیت اس لئے مطلوب ہے کہ اس کے مقابلے میں بلاء اور مصیبت موجود ہے، صحت اس لئے مطلوب ہے کہ اس کے مقابلے میں مرض موجود ہے، علم اس لئے مطلوب ہے کہ اس کے مقابلے میں جہالت موجود ہے، تقوی اس لئے مطلوب ہے کہ اس کے مقابلے میں فسق و فجور موجود ہے، ہدایت اس لئے مطلوب ہے کہ اس کے مقابلے میں کفر و ضلال موجود ہے، غنا اس لئے مطلوب ہے کہ اس کے مقابلے میں فقر و فاقہ موجود ہے، اسی طرح صحابہ کرام کے خلاف دلوں میں کینے کا نہ ہونا ہمیں اس لئے مطلوب ہے کہ اس کے مقابلے میں ان معلوم العاقبہ صحابہ کرام کے خلاف بغض و کینہ بھی موجود ہے اور رہے گا، تبھی تو سورہ حشر میں ہمیں یہ دعا سکھائی گئی ہے۔

ربنا اغفرلنا ولاخوننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رءوف رحیم۔

اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو بخش دے وہ جنہوں نے ایمان میں ہم سے سبقت کی اور جو ایمان لائے ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لئے کوئی کینہ نہ ہونے دے، اے ہمارے رب! بے شک تو شفقت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (سورۃ الحشر)

اگر دنیا میں اصحاب رسول کے خلاف کینہ موجود ہی نہ ہوتو دعا سکھانا معاذ اللہ عبث اور بے مقصد قرار پاتا، اللہ اور اس کا کلام ہر عیب سے پاک ہے۔ مشیت الهیہ کا تقاضا یہی ہے ۔ولایزالون مختلفین الا من رحم ربک و لذالک خلقھم ۔ یہ لوگ باہم ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر تیرا رب رحم فرمائے اور اسی لئے ان کو پیدا کیا ہے۔

یہاں یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ اگر مشاجرات صحابہ کرام کے بعض حوادث پیش ہی نہ آتے تو صحابہ کرام کے خلاف دلوں میں کینے کا کوئی سبب ہی موجود نہ ہوتا۔ اللہ تعالی نے ہمیں آزمائش میں ڈال دیا لیکن کمال رحمت اور مہربانی سے ہمیں کینے سے محفوظ رکھنے کے لئے مذکورہ بالا دعا بھی سکھادی جس سے اہل حق اور اہل باطل میں بخوبی امتیاز بھی ہوگیا۔

بعض اوقات تاریخی جزئیات میں تحقیق سے قول شاذ قطعا درست اور قول مشہور قطعا غلط ثابت ہوتا ہے۔ مثلا تمام اہل سیر و مغازی مانی اعتبار سے غزوہ تبوک کو مقدم اور حج ابی بکر صدیقؓ کو موخر سمجھتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مجلہ السیرہ عالمی (زوار اکیڈمی پبلیکیشنز ناظم آباد 4 کراچی) شمارہ نمبر 13 میں ناقابل تردید عقلی ونقلی شواہد سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ حج ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ مقدم اور غزوہ تبوک موخر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا مہینہ ربیع الاول ہماری قمری ہجری تقویم کا ہرگز (بار بار دہرایئے) ہرگز نہیں بلکہ اس دور میں رائج نسی والی (قمریہ شمسی تقویم) کا مہینہ ہے، خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان المبارک ہے جو تیسری صدی کے نامور ماہر انساب وایام زبیر بن بکار نے بالکل

درست بیان کیا ہے، لیکن اسے قول شاذ سمجھتے ہوئے ناحق نظرانداز کردیا گیا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ مشاجرات صحابہ کرام میں توقف وسکوت یا فریقین کو مصیب (حق بجانب) قرار دینے کا موقف اہل سنت والجماعت میں سے ایک قلیل جماعت کا بھی ہو تو بھی یہی موقف اقرب الی الصواب ہے۔

حضرت موسی علیہ السلام نے اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو داڑھی سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو یہ دونوں حضرات وصف نبوت میں باہم شریک ہیں اور حضرت موسی علیہ السلام کا مقام ومرتبہ حضرت ہارون علیہ السلام سے بلند ہے لیکن دوسروں کو ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی توہین پر اتر آئیں بعینہ اسی طرح حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما وصف صحابیت میں شریک ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کا مقام ومرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بلند ہے، اگر انہوں نے حضرت معاویہ اوران کے ساتھیوں کو باغی یا مخطی قرار دیا تو بعد والوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ حضرت معاویہ کے متعلق یہی رویہ اختیار کریں، خصوصا جبکہ بعد والے اپنے علم کے اعتبار سے مجہول العاقبہ اور صحابہ کرام معلوم العاقبہ ہیں۔

خلفائے راشدین کی خلافت کے علی منہاج النبوہ (par excellentt) کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کے بعد خلافت راشدہ ہو ہی نہیں سکتی، خلافت تو ایک طرف رہی ملوکیت بھی راشدہ ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل پر اپنے جو احسانات بیان فرمائے ان میں یہ بھی ہے:- وجعلکم ملوکا۔ ملوکیت نعمت جبھی ہوسکتی ہے جبکہ یہ ملوکیت راشدہ ہو، تمام صحابہ کرام راشد ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی راشدہ تھی اور آپ خلیفہ راشد تھے، اگر اسے ملوکیت عاضہ (کاٹنے والی) بھی کہا جائے تو اس معنی میں درست ہے کہ یہ مفسدین اور سبائیوں کے لئے عاضہ ہی تھی، خلفائے راشدین تقوی کے انتہائی بلند مقام پر فائز ہونیکی وجہ سے کسی مشتبہ شخص پر ہاتھ ہی نہیں ڈالتے تھے، دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو ان کے قاتل فیروز لوءلوء مجوسی نے ایک

انداز سے قتل کی دھمکی دے ڈالی تھی، اسی طرح ابن ملجم خارجی نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو اپنے انداز میں قتل کی دھمکی دے ڈالی تھی لیکن لوگوں کے کہنے کے باوجود دونوں خلفائے راشدین نے انہیں اپنی گرفت میں یہ کہتے ہوئے نہیں لیا کہ انہوں نے ابھی کسی جرم کا ارتکاب تو نہیں کیا۔ اس طرح کی مراعات ان مفسدوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز دینے کے لئے تیار نہیں تھے، اسی لئے ان کی حکومت ان مفسدوں کے لئے ملوکیت عاضہ ہی ثابت ہوئی۔ (مکتوبات عثمانی ص/ 767)

حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگ کی حقیقت

طبری اور بلاذری نے جنگ جمل کے جو واقعات بیان کیے ہیں، ان کا بڑا حصہ ابو مخنف، ہشام کلبی، سیف بن عمر اور محمد بن عمر الواقدی کا بیان کردہ ہے۔ خاص کر جن روایات میں سیدہ عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم سے متعلق کوئی منفی بات پائی جاتی ہے، ان کا راوی یا تو ابو مخنف ہے یا پھر ہشام کلبی۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان مشہور کذابین نے ان واقعات میں اپنی جانب سے کچھ نہ کچھ ملا دیا ہے اور ان صحابہ کی کردار کشی کی کوشش کی ہے۔ تاہم بہت سی باتیں درست بھی معلوم ہوتی ہیں۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ گھڑی ہوئی باتوں کو الگ کر کے قابل اعتماد اور معقول باتوں کو پیش کریں۔

جنگ جمل کے بعد کیا ہوا اور اس کے نتائج کیا نکلے؟

جنگ کے بعد باغیوں کا مطالبہ تھا کہ فریق مخالف کی خواتین کو ان کی باندیاں بنا دیا جائے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مطالبے کو تسلیم کرنے سے سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جو سیدہ عائشہ کو باندی بنانا چاہے گا؟۔'' آپ نے دونوں طرف کے زخمیوں کا علاج کروایا اور ان کی لاشوں کو دفن کروایا۔ آپ نے حکم جاری کر دیا تھا کہ کوئی کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرے۔ حضرت طلحہ کی لاش دیکھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہما کے تاثرات کیا تھے؟ ملاحظہ فرمائیے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقتولین کے درمیان چکر لگایا تو آپ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر آپ کے چہرے سے مٹی ہٹانے لگے اور فرمایا: ابو محمد! اللہ کی آپ پر رحمت ہو۔ مجھے ستاروں تلے آپ کو اس حالت میں گرا دیکھنا کس قدر شاق گزر رہا ہے۔" پھر فرمایا:" میں اپنی ظاہری اور پوشیدہ باتوں کو اللہ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ واللہ! میں چاہتا ہوں کہ آج سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔" (ابن کثیر۔عربی 10/ 476۔ بلاذری۔ 3/ 63)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کا نام عمرو بن جرموز بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا واقعہ کچھ یوں ہے:

عمرو بن جرموز نے آپ (حضرت زبیر رضی اللہ عنہ) سے کہا:" مجھے آپ سے ایک کام ہے۔" آپ نے فرمایا: پاس آجایئے۔" حضرت زبیر کے غلام عطیہ نے کہا: اس کے پاس ہتھیار ہے۔" آپ نے فرمایا:" چاہے ہتھیار ہو۔" وہ آگے بڑھ کر آپ سے بات کرنے لگا۔ نماز کا وقت تھا، حضرت زبیر نے اسے کہا:" پہلے نماز پڑھ لیں۔" اس نے کہا:" پڑھ لیں۔" جب حضرت زبیر ان دونوں کو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھے تو عمرو نے آپ کو نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ پھر یہ آپ کا سر کاٹ کر اسے حضرت علی کے پاس لے گیا۔ اس نے خیال کیا کہ اس کی وجہ سے اسے آپ کے ہاں کوئی عہدہ ملے گا۔ اس نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو حضرت علی نے فرمایا: اسے اجازت نہ دو بلکہ جہنم کی بشارت دو۔" ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ابن صفیہ (زبیر رضی اللہ عنہما) کے قاتل کو جہنم کی بشارت دو۔" ابن جرموز اندر داخل ہوا تو حضرت زبیر کی تلوار اس کے پاس تھی۔ حضرت علی نے فرمایا: اس تلوار نے کئی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے غم کو دور کیا ہے۔" بیان کیا جاتا ہے کہ عمرو بن جرموز نے جب یہ بات سنی تو خودکشی کر لی اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ وہ مصعب بن زبیر کے عراق کا گورنر بننے تک زندہ رہا۔ (ایضاً۔ عربی 10/ 482۔ ابن عساکر۔ 18/ 417-423)

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم کوفہ کی مسجد میں حضرت علی بن ابی طالب کے پاس تھے اور آپ کے ہاتھ میں فریکچر تھا۔ عثمان، طلحہ اور زبیر کا ذکر شروع ہوا گیا۔ آپ نے پوچھا: ''آپ لوگ کس بارے میں بات کر رہے ہیں؟'' ہم نے کہا: ''ہم عثمان، طلحہ اور زبیر کے بارے میں بات کر رہے ہیں اور ہمارا خیال تھا کہ آپ آرام کر رہے ہیں۔'' علی نے یہ آیت پڑھی: یقیناً جن لوگوں کے بارے میں ہماری طرف سے بھلائی کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہوگا، وہ یقیناً اس (جہنم) سے دور رکھے جائیں گے۔'' فرمایا کہ یہ معاملہ میرا، عثمان، طلحہ اور زبیر کا ہے۔ پھر فرمایا: میں بھی عثمان، طلحہ اور زبیر کے شیعوں (پارٹی) میں شامل ہوں۔'' پھر یہ آیت پڑھی: ''ہم ان کے دلوں میں کچھ رنجش بھی ہوگی تو ہم اسے ختم کر دیں گے اور وہ بھائی بھائی بن کر پلنگوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھیں گے۔ فرمایا: یہ عثمان، طلحہ اور زبیر سے متعلق ہے۔ میں بھی عثمان، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین کی پارٹی میں شامل ہوں۔'' (ابن عساکر۔ تاریخ دمشق۔ 18 / 424)

حضرت علی رضی اللہ عنہ، کعب بن سور رحمہ اللہ کی لاش کے پاس سے گزرے تو ان کی تعریف کی۔ بنو امیہ کے مشہور سردار عبدالرحمن بن عتاب بن اسید، جن کے والد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا پہلا گورنر مقرر فرمایا تھا، کی میت کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''یہ قریش کے سردار تھے، ان کے قتل پر میں بہت افسردہ اور شرمندہ ہوں۔'' ایک باغی نے بصرہ کی خواتین کو دھمکی دی تو آپ نے فرمایا:

خبردار! نہ تو کسی کی پردہ دری کرو اور نہ ہی کسی کے مکان میں داخل ہو۔ کسی خاتون کو تکلیف نہ پہنچائی جائے اگرچہ وہ تمہاری توہین بھی کرے، تمہارے امراء اور نیک لوگوں کو برا بھی کہے۔ کیونکہ عورت کمزور ہوتی ہے۔ ہمیں تو مشرک عورتوں پر بھی ہاتھ اٹھانے سے روکا گیا تھا اور اگر کوئی شخص کسی عورت پر ہاتھ اٹھاتا یا اسے مارتا تو لوگ اس کی اولاد کو طعنہ دیتے تھے کہ تیرے باپ نے

تو فلاں عورت کو مارا تھا۔ خبردار! اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے کسی عورت کو اس لیے تکلیف پہنچائی ہے کہ اس نے تمہیں کچھ کہا تھا اور تمہاری عزت اچھالی تھی تو میں تمہیں انتہائی بدترین سزا دوں گا۔ (طبری۔3/2-159)

دو باغیوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں سو سو کوڑے لگوائے۔ جنگ کے بعد باغیوں کا گروہ بغیر اجازت بصرہ کی طرف گیا تا کہ وہاں جا کر لوٹ مار کر سکے تو حضرت علی نے اپنے مخلص ساتھیوں کو بھیجا تا کہ وہ انہیں اس سے باز رکھ سکیں۔ اہل بصرہ نے آپ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد حضرت علی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما کو نہایت ہی اعزاز اور تکریم کے مکہ روانہ کر دیا اور ان کی سواری اور زادراہ کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر دونوں نے ایک دوسرے کے بارے میں نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ سیدہ نے فرمایا:

میرے بیٹو! ہم جلد بازی میں ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ آئندہ ہمارے ان اختلافات کے باعث کوئی شخص دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔ واللہ! میرا اور علی کا پہلے سے اختلاف تھا لیکن یہ اسی قسم کا معاملہ تھا جیسا کہ ساس اور داماد میں ہو ہی جاتا ہے۔ فی الحقیقت علی، میرے نزدیک نیک آدمی ہیں۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اے لوگو! واللہ! ام المومنین نے سچ فرمایا اور احسن بات کی ہے۔ میرا اور ان کا اختلاف اسی نوعیت کا تھا۔ عائشہ، دنیا اور آخرت میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں۔“ (ایضاً۔3/2-163)

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کئی میل تک سیدہ کو رخصت کرنے کے لیے آئے اور اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کو کم از کم ایک دن کی مسافت تک چھوڑنے جائیں۔

جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گورنر مقرر کرنے شروع کیے۔ آپ نے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تو اشتر شدید غصے ہوا اور کہنے لگا: کیا اسی لیے ہم نے اس بڈھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا کہ یمن عبیداللہ بن عباس کو ملے، حجاز قثم بن عباس کو، بصرہ عبداللہ بن عباس کو اور کوفہ علی خود لے لیں؟" (ایضاً-3/2-107)

یہ کہہ کر وہ لشکر چھوڑ کر چل پڑا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے کوچ کا حکم دیا اور اس کے سر پر پہنچ گئے اور اسے ظاہر کیا کہ جیسے آپ تک اس کی بات نہیں پہنچی۔ آپ کو خدشہ تھا کہ وہ کہیں کوئی نئی بغاوت نہ کھڑی کر دے۔ اشتر کی جھنجھلاہٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کس طریقے سے آہستہ آہستہ ان باغیوں کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے۔ آپ کی حکمت عملی یہی تھی کہ سانپ کو اچھی طرح بل سے نکال لیا جائے اور پھر اس کا سر کچل دیا جائے۔ باغی تحریک کے پورے آئس برگ کو ظاہر کر کے ختم کرنا آپ کی حکمت تھی۔

جنگ جمل کے نتائج کیا نکلے؟

ہمارے ہاں لوگ جنگ جمل پر بڑا افسوس کرتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایک دوسرے کا خون بہا۔ درحقیقت یہ ایک ناقابل تلافی نقصان تھا لیکن اس کا ایک روشن پہلو بھی تھا۔ جنگ جمل میں جہاں دس ہزار کے قریب مسلمان دونوں لشکروں میں سے شہید ہوئے، وہاں باغیوں کی ایک بڑی تعداد بھی ہلاک ہوئی۔ اس طرح ان مخلص حضرات نے اپنی جان کی قربانی دے کر باغیوں کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ جنگ جمل کے بعد جب باغیوں کی طاقت کمزور پڑی تو سانپ پوری طرح بل سے نکل آیا اور اس کے پھن کو پھر مسلمانوں نے اچھی طرح جنگ صفین میں کچلا۔ اس کے بعد یہ باغی خود گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور ان کا مشن مکمل نہ ہو سکا۔ اگر اس وقت حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم اسٹینڈ نہ لیتے تو ان باغیوں کا مشن مکمل ہو جاتا۔

پھر شاید آج انہی باغیوں کے ہمنوا مسلمانوں پر حکومت کر رہے ہوتے اور اصل مخلص مسلمان شاید اقلیت میں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان باغیوں نے ان حضرات کو تنقید کا خاص نشانہ بنایا۔ کبھی کہا کہ حضرت طلحہ اور زبیر اپنی خلافت قائم کرنا چاہتے تھے، کبھی سیدہ عائشہ پر کیچڑ اچھالا اور کبھی حضرت علی کو ہدف تنقید بنایا۔

کیا حضرت طلحہ وزبیر کا مقصد اپنی خلافت قائم کرنا تھا؟

چونکہ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے باغیوں کی طاقت پر کاری ضرب لگائی، اس وجہ سے باغیوں کو ان سے خاص بغض تھا۔ انہوں نے ایسی روایتیں گھڑنے کر پھیلائیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات اپنی خلافت قائم کرنا چاہتے تھے۔ ان روایات کا جھوٹ ان حقائق سے ظاہر ہو جاتا ہے:

1۔ اگر حضرت طلحہ وزبیر کو خلافت کا لالچ ہوتا تو وہ اس وقت خلافت سے دستبردار کیوں ہوتے جب حضرت عمر نے انہیں شوری کا ممبر بنایا تھا۔ اس وقت انہوں نے خلافت سے دستبردار ہو کر اپنا ووٹ حضرت عثمان کے حق میں دے دیا تھا۔

2۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد بھی اگر حضرت طلحہ یا زبیر میں سے کوئی خلیفہ بننا چاہتا تھا، تو اس کا بہترین موقع وہ تھا جب ابھی حضرت علی رضی اللہ عنہم کی بیعت نہیں ہوئی تھی۔ اس موقع پر خود حضرت علی خلافت قبول نہیں کر رہے تھے۔ اگر حضرت طلحہ یا زبیر کو اس کا لالچ ہوتا تو وہ خلافت کو قبول کر لیتے۔ ایک یا دو ماہ بعد ایسی کیا قیامت آ گئی تھی کہ انہوں نے حضرت علی کو معزول کر کے خود خلیفہ بننا چاہا؟

3۔ متعدد روایات میں یہ بات آئی ہے کہ جب حضرت طلحہ یا زبیر کو خلافت کی پیشکش کی

گئی تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم علی کی بیعت سے نکلنا نہیں چاہتے ہیں بلکہ صرف عثمان کے قاتلوں کو سزا دلوانا چاہتے ہیں۔

3۔ حضرت معاویہ نے حضرت زبیر کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ اگر وہ شام آ جائیں تو وہ ان کی بیعت خلافت کے لیے تیار ہیں لیکن حضرت زبیر نے اسے قبول نہیں کیا۔ (بلاذری۔3/53)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت زبیر کے دل میں کوئی لالچ نہ تھا اور وہ حضرت علی کے ساتھ مخلص تھے۔

یزید کے بارے میں اکابر اہل سنت والجماعت کا مسلک

یزید کے بارے میں اکابر اہل سنت والجماعت (دیوبند) کبھی حسن ظن میں مبتلاء نہیں رہے کیونکہ انہوں نے اُس کے پورے دور حکومت (امارت) کو سامنے رکھا ہے جس کی خرابی شہادت حسین سے شروع ہوئی اور انجام واقعۂ حرہ اور مکہ معظّمہ پر فوج کشی پر ہوا، اِسی دوران یزید کی موت واقع ہوئی۔ (ماہنامہ انوار مدینہ لاہور، ص/13)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بُرا کہنے والا اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہے

جو لوگ صحابی رسول کاتب وحی اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتے ہیں وہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج، گمراہ اور بدعتی ہیں۔

فسبّهم الطعن فيهم إن كان ممن يخالف الأدلة القطعية فكفر، كقذف عائشة وإلا فبدعة وفسق، وبالجملة لم ينقل عن السلف المجتهدين والعلماء الصالحين جواز اللعن على معاوية۔ (شرح العقائد النسفیۃ ۱۶۱-۱۶۲)

ومما يوجب أيضا الإمساك عما شجر أي وقع بينهم من الاختلاف والإضطراب صفحا عن إخبار المؤرخين... والواجب أيضا على كل من سمع شيئا من ذلك يثبته فيه ولا ينسبه إلى أحد منهم۔(الصواعق المحرقة۲۱٦)

إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا لعنة الله على شركم۔(سنن الترمذي ۲/۲۲۵)

وأما كف الألسنة عن الطعن فيهم فإن كلا منهم مجتهد وإن كان على رضي الله عنه مصيبا فلا يجوز الطعن فيهما، والأسلم للمؤمنين أن لا يخوضوا في أمرهما۔(مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۱۳۱)

معاویہ بن یزید کی تخت نشینی

یزید کے بعد اس کا لڑکا معاویہ تخت نشین ہوا، یہ طبعاً سلیم الفطرت تھا اس لئے بنی امیہ کے بے عنوانیوں سے بہت جلد بددل ہوگیا اور تخت نشینی کے چند ہی مہینوں کے بعد اپنے اہل خاندان کو جمع کر کے کہا کہ مجھ میں تمہاری حکومت کے سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے اور تم میں کوئی عمر بن الخطابؓ نظر نہیں آتا، جسے خلیفہ بنادوں اور نہ اہل شوریٰ ہی نظر آتے ہیں کہ ان پر معاملہ چھوڑ دوں تم اپنے معاملات کو زیادہ سمجھ سکتے ہو، اس لئے جسے چاہو خلیفہ بنالو، یہ کہہ کر خلافت سے دستبردار ہوگیا۔

معاویہ بن یزید کی دست برداری کے بعد بنی امیہ کی خلافت قریب قریب ختم ہوگئی اور تمام اسلامی ممالک نے ابن زبیرؓ کی خلافت تسلیم کرلی، شام میں بھی ان کا کوئی حریف باقی نہ رہا؛ کیونکہ مروان بن حکم اور دوسرے اکابر بنی امیہ مدینہ میں تھے؛ لیکن ان میں بھی ابن زبیرؓ کے مقابلہ کا دم باقی نہ تھا؛ چنانچہ مروان ان کی بیعت پر آمادہ ہوگیا تھا لیکن اس موقع پر پھر ابن زبیرؓ نے بڑی سیاسی غلط فہمی ہوگئی، انہوں نے جس قدر بنی امیہ مدینہ میں تھے، سب کو حکماً نکلوادیا ان میں مروان بھی تھا؛ بلکہ مروان کا لڑکا عبدالملک اس وقت بیمار تھا، اس کی بیماری کی وجہ سے مروان سفر سے

معذور تھا، لیکن ابن زبیرؓ کے سخت احکام کے سامنے اس کو قیام کرنے کی ہمت نہ پڑی اور اسے بیمار عبدالملک کو لے کر مجبوراً مدینہ چھوڑنا پڑا، بنو امیہ کے مدینہ سے نکلنے کے بعد ابن زبیر کو اپنی غلط فہمی کا احساس ہوا اور انہوں نے بنی امیہ کی تلاش میں آدمی دوڑائے مگر وہ قابو سے باہر ہو چکے تھے۔ (یعقوبی: ۳/ ۳۰۳، ۳۰۴)

اس سے بنی امیہ کو قدم جمانے کا موقع مل گیا، اگر عبداللہ بن زبیرؓ انہیں مدینہ میں رہنے دیتے تو پھر خاندان بنی امیہ میں ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا اور دمشق کا تخت ان کے لئے بالکل خالی ہو جاتا مگر ان کی قسمت میں بے دردی کے ساتھ حرم میں ذبح ہونا مقدر ہو چکا تھا، اس لئے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے اسباب مہیا کر دیئے۔

معاویہؒ بن یزید کی وفات

معاویہ کے مرض نے جب ترقی کی تو لوگوں نے کہا کہ اپنے بعد کسی کو خلافت کے لیے نامزد کر دو' معاویہ نے کہا کہ میں پہلے ہی اپنے اندر خلافت کی طاقت نہیں پاتا تھا' تم لوگوں نے زبردستی مجھ کو خلیفہ بنایا' میں نے سوچا کہ کوئی شخص عمر فاروق کی مانند مل جائے' تو اس کو خلافت سپرد کر دوں لیکن نہیں ملا' پھر میں نے چاہا کہ جس طرح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چند شخصوں کو نامزد کر دیا تھا کہ ان کے بعد وہ خلیفہ کو منتخب کریں اسی طرح میں بھی چند شخصوں کو نامزد کر دوں' لیکن میری نگاہ میں ایسے اشخاص بھی نہیں آئے۔ لہٰذا اب میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کہتا' تم کو اختیار رہے جس کو چاہو خلیفہ بناؤ' مجھے کوئی سروکار نہیں' یہ کہہ کر معاویہ نے لوگوں کو باہر نکلوا کر اپنی محل سرائے کا دروازہ بند کرا لیا اور اس کے بعد اس کا جنازہ ہی محل سرائے سے نکلا۔ (تاریخ اسلام جلد 2،ص/76)

حضرت حسنؓ بن علی رضی اللہ عنہ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت حکم دیا کہ میرا بستر گھر کے آنگن

میں لے چلو، چنانچہ آپ کا بستر صحن میں لایا گیا پھر آپ نے فرمایا اے اللہ! میرا گمان ہے کہ میں تیرے پاس جانے والا ہوں کیونکہ اتنی تکلیف (زندگی میں) مجھے کبھی نہیں پہنچی، میں اپنے بارے میں ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ (مجلہ افکار قاسمی،ص/33)

حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنے ارد گرد بیٹھنے والوں سے فرمایا کہ مجھے بٹھا دیجئے انہوں نے آپ کو بٹھا دیا آپ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگے حتی کہ ذکر کرتے کرتے رونے لگے اور فرمایا اے معاویہ! بے بسی اور شکستگی کے بعد اب اللہ کو یاد کرتا ہے؟ پھر اور زیادہ روئے اور فرمایا اے میرے رب! اے میرے رب! سخت دل والے گنہگار بوڑھے پر رحم فرمایا اے اللہ لغزشوں کو معاف فرما اور غلطیوں سے درگزر فرما۔ ایسا شخص جو آپ کے سوا کسی سے امید نہیں کرتا اور آپ کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہیں کرتا اس پر آپ اپنے حلم سے سخاوت کیجئے، پھر ان کی روح پرواز کر گئی۔ (انوار مدینہ،ص/67)

سانحۂ کربلا پر حضرت حسینؓ کے رشتہ داروں نے نوحہ اور ماتم نہیں کیا

حضرت حسینؓ کے بہت سے ساتھی شہید ہو گئے مگر حضرت حسینؓ نے کسی کی شہادت پر نوحہ و ماتم نہیں کیا، خود حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد ان کے کئی رشتہ دار موجود تھے، کسی نے ان کا نوحہ اور ماتم مروجہ طریقے کے مطابق نہیں کیا، نوحہ و ماتم کا مروجہ طریقہ شیعیت اور رافضیت کی ایجاد ہے جو خیر القرون کے بہت بعد وجود میں آیا، اکبر شاہ نجیب آبادی لکھتے ہیں ۳۵۲ھ کے آغاز میں شیعی حکمران معزالدولہ نے حکم دیا کہ دس محرم کو حضرت حسینؓ کی شہادت کے غم میں تمام دکانیں بند کر دی جائیں، خرید وفروخت بالکل موقوف رہے، شہر اور

دیہات کے لوگ ماتمی لباس پہنیں اور اعلانیہ نوحہ کریں،عورتیں اپنے بال کھولے ہوئے، چہروں کو سیاہ کئے ہوئے، کپڑوں کو پھاڑتے ہوئے سڑکوں اور بازاروں میں مرثیے پڑھتی، منہ نوچتی اور چھاتیاں پیٹتی ہوئی نکلیں،شیعوں نے اس حکم کی بخوشی تعمیل کی مگر اہل سنت دم بخود اور خاموش رہے کیونکہ شیعوں کی حکومت تھی۔ (تاریخ اسلام: اکبر شاہ نجیب آبادی)

مولانا عبدالرب گونڈوی لکھتے ہیں ''تعزیت کا مطلب ہے کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر اسے تسکین دینا اور صبر کی تلقین کرنا،لیکن شریعت میں کسی کی موت پر صرف تین دن کی تعزیت جائز ہے،جس میں نہ رونا ہے نہ پیٹنا، نہ چیخنا ہے، نہ چلانا، نہ کپڑے پھاڑنا ہے اور نہ گریبان چاک کرنا، نہ سینہ کوبی کرنا ہے اور نہ زانو ورخساروں پر ہاتھ مارنا،لیکن موجودہ دور میں جو تعزیہ بنایا جاتا ہے، جسے حضرت حسینؓ کے روضے کی نقل کہا جاتا ہے، اس کے اندر ایک قبر بنائی جاتی ہے، اس پر قبہ اور گنبد بنایا جاتا ہے،لوگ اس میں روپیہ پیسہ، مٹھائیاں اور پھل وغیرہ رکھتے ہیں،خود اپنی بنائی ہوئی چیز کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جاتا ہے۔

حضرت حسینؓ کا مکہ میں قیام

معاویہؓ کے بعد یزید اسلامی حکومت کے تخت پر بیٹھا،اور اپنے کو امیر المومنین کا لقب دیا، اپنی ناحق اور ظالمانہ حکومت کو مستحکم کرنے کیلئے اسلام کی نامور شخصیتوں کے پاس پیغام بھیجا اور ان سے بیعت کا مطالبہ کیا اسی مقصد سے ایک خط حاکم مدینہ کو لکھا اور اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ حضرت حسینؓ سے بھی بیعت لی جائے، حاکم مدینہ نے یہ خبر امام حسینؓ تک پہنچادی اور اس کے جواب کا مطالبہ کیا،حضرت حسینؓ نے ارشاد فرمایا:

''اب اسلام کا بس خدا ہی محافظ (کیونکہ یہ لوگ اسلام کی طاقت سے اسلام کا گلا کاٹیں گے

اور اسلام کو نابود کردیں گے) جب حضرت حسینؓ نے یزید کی حکومت تسلیم نہیں کی، اسی وقت انہیں اس بات کا اندازہ ہوا کہ اب مدینہ میں رہنا مناسب نہیں، کسی وقت بھی آپ کو قتل کیا جا سکتا ہے لہٰذا آپ نے شب کے سناٹے میں مدینہ سے مکہ کا سفر کیا، مکہ تشریف لائے، مکہ اور مدینہ والوں کو معلوم ہو گیا کہ حضرت حسینؓ نے یزید کی بیعت نہیں کی یہ خبر کوفہ میں بھی پہنچی کوفہ والوں نے حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی دعوت دی کہ کوفہ تشریف لا کر ہماری رہبری فرمائیں حضرت حسین نے اپنے چچازاد بھائی جناب مسلم بن عقیل کو اپنا نمائندہ بنا کر کوفہ بھیجا کہ وہاں والوں کے جذبات معلوم ہو سکیں اور وہاں کے حالات کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ مقصد یزید کی اسلام مخالف حکومت کو رسوا کرنا ہے، اور نیکیوں کی دعوت دینا، برائیوں سے روکنا ظلم وستم کے خلاف آواز اٹھانا، قرآن کی حمایت اور دین محمدیؐ کی تبلیغ ہے۔ (ماہ محرم کی فضیلت، ص/156)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امیرالمومنین حضرت علیؓ، حضرت حسینؓ اور اسلام کے تمام گزشتہ رہبروں نے بارہا حضرت حسینؓ کی شہادت کی خبر دی تھی، یہاں تک کہ حضرت حسینؓ کی ولادت کے وقت مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسینؑ کی شہادت کی خبر سنائی تھی۔

خدا کے حکم کے آگے اپنی جان کی کوئی قیمت سمجھتے ہوں یا اپنے اہل حرم کی اسیری سے خوف زدہ ہوں ایسا کچھ نہیں بلکہ حضرت حسینؓ وہ تھے جو بلا کو فضیلت اور شہادت کو سعادت سمجھتے تھے۔ (خدا کا ابدی سلام ہو ان پر) کربلا کے میدان میں حضرت حسینؓ کی شہادت کی خبر امت اسلامیہ میں اتنی عام ہو چکی تھی کہ عام افراد بھی اس سفر کے انجام سے واقف تھے۔ کیونکہ لوگوں نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حسینؓ کی شہادت کی خبر سنی تھی، اس بنا پر مصائب ومشکلات سے بھر پور حضرت حسینؓ کا یہ سفر لوگوں کے ذہنوں میں شہادت کی خبر کو بار بار دہرا رہا تھا۔

جو ہماری راہ میں جان قربان کر سکتا ہو اور خدا کی ملاقات کا مشتاق ہو وہ ہمارے ساتھ آئے‘‘

اس بناء پر بعض افراد کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ حضرت حسینؓ کو اس سفر سے باز رکھیں، وہ اس بات سے غافل تھے، حضرت علی کے فرزند دوسروں سے زیادہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتا ہے، طرح طرح کے نظریات اور مشوروں کے باوجود حضرت حسینؓ اپنی راہ پر ثابت قدم رہے اور لوگوں کی باتیں ذرا بھی ان کے ارادے میں رکاوٹ نہ بنیں، حضرت حسینؓ نے سفر جاری رکھا اور ہنسی خوشی شہادت قبول کی تنہا نہیں بلکہ ایسے اعوان وانصار کے ساتھ جن میں سے ہر ایک اسلام کے افق کا درخشندہ ستارہ تھا ان شہیدوں کے خون نے کربلا کے ریگزار کو لالہ زار بنا دیا۔ (محرم الحرام کی یادیں، ص/ 78)

حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد حسینؓ کے اہل حرم بھی اسیر ہوئے تا کہ شہادت کے پیغام کو عام کرسکیں ہم نے سنا اور پڑھا ہے کہ شہروں میں بازاروں میں اور مسجدوں میں ابن زیاد کے آلودہ دربار میں، یزید کے دربار میں، ہر جگہ تقریریں کیں اور یزید کے چہرے کو بے نقاب کیا۔

امام حسینؓ کی دریادلی کا واقعہ

حضرت حسینؓ کی 56 برس کی زندگی میں ہر ہر قدم پر للّٰہیت نظر آتی ہے حضرت حسین کی زندگی کا ہر لمحہ فناء فی اللہ تھا ان کی ساری زندگی پاکیزگی، بندگی اور رسالت محمدیہ کی نشر واشاعت میں گزری، ہماری محدود نگاہیں ان کی وسعتوں کا اندازہ نہیں کرسکتیں، آپ کو نماز، خدا سے راز و نیاز، تلاوت قرآن دعا اور استغفار سے بڑا لگاؤ تھا، بسا اوقات روزانہ سینکڑوں رکعت نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ زندگی کے آخری شب و روز نیاز میں گذاری، دشمنوں سے رات بھر کی مہلت اس لئے مانگی تا کہ جی بھر کر خدا کی عبادت کرسکیں۔

اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ: خدا جانتا ہے کہ مجھے نماز، تلاوت قرآن، دعا اور استغفار بے حد پسند ہے، آپ متعدد بار پیدل حج کرنے تشریف لے گئے، بہت ہی خضوع

وخشوع ،انکساری اور بندگی کی حالت میں حضرت خیمہ سے باہر تشریف لائے، اپنے اصحاب اور فرزندوں کے ہمراہ پہاڑ کے دامن میں داہنی طرف کھڑے ہوئے اور اپنا رخ کعبہ کی طرف کیا، ایک ناتواں فقیر کی طرح ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور یہ دعا پڑھی: حمد اور ستائش ہے اس خدا کی جس کے حکم کو کوئی چیز ٹال نہیں سکتی اور کوئی شئے اس کی بخشش اور عطا کو روک نہیں سکتی، سخاوت وکرم میں اس کا ہاتھ کھلا ہوا ہے اس نے ہر چیز کو اپنی حکمت سے مستحکم اور پائیدار بنایا ہے، کسی کی پوشیدہ تلاش وجستجو اس سے مخفی نہیں ہے، جو چیز اس کے سپرد کی جاتی ہے وہ برباد نہیں ہوسکتی، وہی ہر ایک کو جزاوسزا دیتا ہے، قناعت پسندوں کے حالات کی اصلاح کرتا ہے، اور وہ ناتواں اور ضعیفوں پر رحم کرنے والا ہے، اور منافع کو نازل کرنے والا ہے، وہ دعاؤں کو سنتا ہے، اور مصیبتوں کو دور کرتا ہے نیکوکاروں کے درجات کو بلند کرتا ہے اور ستم گروں کو ذلیل کرتا ہے وہ ایک جامع اور نورانی کتاب قرآن کا نازل کرنے والا ہے، اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے کوئی اس جیسا نہیں ہے، وہ سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، لطیف اور ہر چیز سے واقفیت رکھنے والا اور تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (خطبات حبان، ص/173)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دعا

خدایا میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں تیری ربوبیت کی گواہی دیتا ہوں، اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ تو میرا پروردگار ہے اور تیری ہی طرف میری بازگشت ہے، میرے نام ونشان سے پہلے تو نے مجھ پر نعمتوں کا آغاز کیا اور مجھے خاک سے پیدا کیا، ایک معین ہدایت کیلئے صحیح وسالم بنا کر اس دنیا میں وجود عطا کیا، جب میں گہوارہ میں بالکل کم سن بچہ تھا اس وقت میری حفاظت کی پاکیزہ دودھ میری غذا قرار دی، پرورش کرنے والیوں کے دلوں میں میرے حق میں نرمی پیدا کی، مادر مہربان کو تربیت کا ذمہ

دار قرار دیا، مجھے محفوظ رکھا اے رحمن ورحیم تو بہت بلند ہے، یہاں تک کہ میں نے بولنا شروع کیا، اور تو نے اپنی تمام نعمتیں مجھ پر نازل کیں، ہر سال میری پرورش کی یہاں تک کہ میری تخلیق مکمل ہوگئی، اور میرے قویٰ متعدل ہوگئے تو نے مجھ پر اپنی حجت تمام کی، اور اپنی معرفت مجھے عطا کی، اپنی حکمت کے نمونے دکھا کر مجھے حیرت زدہ کیا، آسمان وزمین کی بے مثال خلقت کی طرف مجھے متوجہ کیا شکر اور اپنی یاد کی توفیق عنایت کی، اپنی عبادت اور بندگی مجھ میں واجب کی جو چیزیں انبیاء لائے اور مجھے آگاہ کیا، اوران کے قبول کرنے پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا، ان تمام مراحل میں ہر ہر قدم پر تیرا لطف وکرم میرے ہمراہ تھا، یہ سب تیرا احسان ہے۔

خدایا! تو نے یہ گوارا نہ کیا کہ بعض نعمتوں سے مجھے محروم رکھے، خدایا یہ تیرا احسان عظیم ہے کہ تو نے مختلف قسم کی کھانے پینے کی چیزیں اور طرح طرح کے لباس مجھے عطا کئے، جب تو نے مجھے ہر قسم کی نعمتوں سے نواز دیا اور ہر طرح کی مصیبتوں کو مجھ سے دور کیا، اس کے باوجود بھی میری کوتاہیوں نے تجھے اس بات پر آمادہ نہ کیا کہ وہ چیزیں عطا نہ کرے جو تیرے قرب کا باعث ہوں اور وہ اسباب فراہم نہ کرے جو تیری نزدیکی کا سبب ہوں۔ خدایا! میں تیری کن کن نعمتوں کو شمار کروں اور کن کن باتوں پر تیرا شکر ادا کروں، تیری نعمتیں اور بخشش اتنی زیادہ ہیں کہ شمار کرنے والے ان کو شمار نہیں کرسکتے، جن مصیبتوں، پریشانیوں اور بلاؤں کو مجھ سے دور کیا ہے وہ صحت وسلامتی کی ان نعمتوں سے کہیں زیادہ ہیں، جنہیں میں جانتا ہوں۔ خدایا! تجھے اپنے ایمان پر گواہ قرار دیتا ہوں، خدایا اگر میں ہمیشہ زندہ رہوں اور ہر آن تیری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں تب بھی اس بات سے قاصر ہوں کہ تیری کسی ایک نعمت کے شکر کا حق ادا کرسکوں۔ (خطبات عثمان، ص/89)

خدایا! مجھے ایسا بنادے کہ میں تجھ سے ڈروں اس طرح سے کہ گویا تجھے دیکھ رہا ہوں اور مجھے تقویٰ وپرہیزگاری کی نعمت عطا فرما، ارتکاب معصیت کی خاطر مجھے رسوا نہ کر، پروردگار! میرے

دل وجان میں استغناء، میرے دل میں یقین میرے عمل میں اخلاص، میری نگاہ میں بصیرت اور دین میں آگاہی عطا فرما، اور مجھے اپنے اعضاء و جوارح سے بہرہ مند فرما۔

خدایا! میں تیری بے شمار نعمتوں، گرانقدر بخششوں کو شمار نہیں کرسکتا، میرے مولا! تو نے ہی مجھ پر کرم کیا، تجھ ہی نے نعمت دی، تجھ ہی نے میرے حق میں اچھائیاں کیں تو نے ہی فضیلتوں کا برتاؤ کیا۔ تو نے ہی اپنی بخششوں کی تکمیل کی، تو نے ہی روزی دی، تو نے ہی توفیق عطا کی تو نے ہی نوازشیں کیں، تو نے ہی مجھے مستغنی کیا، تو نے ہی عزت دی، تو نے ہی پناہ دی، تو نے ہی میرے بڑے بڑے کام انجام دیئے، تو نے ہی نے خطائیں معاف کیں، تو نے ہی مدد کی، تو نے ہی قوت دی، تو نے ہی شفا عطا کی، تو نے ہی سلامتی عطا کی، تو نے ہی سربلندی، تَبَارَکْتَ رَبِّی وَتَعَالَیْتَ فَلَکَ الْحَمْدُ دَائِماً لَکَ الشُّکْر وَالصَّبَا، تو بزرگ وبرتر ہے اے میرے پردوگار، حمد وستائش تا ابد تیری ذات سے مخصوص ہے پس خدایا میں اپنی لغزشوں کا اعتراف کرتا ہوں، میرے گناہوں کو معاف کردے اور خطاؤں سے درگزر فرما۔ (خطبات سیالکوٹ، ص12)

اس دن حضرت حسینؓ نے اس دعا کے ذریعہ لوگوں کو اس طرح خدا کی طرف متوجہ کیا کہ گریہ کی آوازیں بے شمار ہوگئیں، ہر شخص ان کے ایک ایک لفظ پر دل کی گہرائیوں سے آمین کہہ رہا تھا۔

حضرت حسینؓ کے اوصاف

حضرت حسینؓ بہت زیادہ روزہ رکھتے تھے، راہ حق میں صدقہ دیتے تھے، اور تمام نیک کام انجام دیتے تھے۔''حسین ابن علیؓ کی شخصیت اتنی بلند تھی کہ اس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا، جس وقت آپ اپنے بھائی حضرت حسنؓ کے ساتھ پیدل حج کو تشریف لے جاتے تھے اس وقت اسلام کی بڑی بڑی شخصیتیں آپؓ کے احترام میں پیادہ (پیدل) ہوجاتی تھیں، معاشرہ میں امام حسینؓ کو جو احترام حاصل تھا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ آپ سماج میں زندگی بسر کرتے تھے، لوگوں سے

کنارہ کش نہیں رہتے تھے دل وجان سے سماج کے مسائل میں شریک رہتے تھے، دوسروں کی طرح خود بھی مصائب ومشکلات برداشت کرتے تھے، خدائے واحد کے ایمان واعتقاد نے انہیں لوگوں کا غمخوار بنا دیا تھا، ورنہ ان کے پاس نہ محل تھا نہ دو محلے اور نہ کمر بستہ غلام، نہ دربان تھے نہ صاحب ان کی زندگی بادشاہوں جیسی نہ تھی، اس سے اندازہ ہوجاتا ہیکہ سماج میں آپ کا طرز زندگی کیا تھا۔''ایک روز آپؓ ایک جگہ سے گزر رہے تھے کچھ فقیر اپنی عباؤں کو بچھائے بیٹھے ہوئے تھے اور سوکھی روٹی کھانے میں شریک ہوگئے اور فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لاَ یُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ۔'' خدا تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد فرمایا: میں نے تمہاری دعوت قبول کی، اب تم لوگ میری دعوت قبول کرو، ان لوگوں نے حضرت کی دعوت قبول کرلی اور آپ کے ساتھ گھر آگئے، حضرت نے حکم دیا کہ جو کچھ موجود ہے ان کیلئے لے آؤ'' اس طرح حضرت نے ان کی خاطر بھی کی اور تواضع وانکساری کا درس بھی دیا، شعیب بن عبدالرحمن فزاعی کا بیان ہے کہ ''جب حضرت حسین شہید کردیئے گئے، آپ کی پشت مبارک پر گھٹے کے نشانات دیکھے گئے، لوگوں نے امام زین العابدینؓ سے اس کا سبب دریافت کیا، امام نے فرمایا میرے والد شب کی تاریکی میں پشت پر روٹیاں رکھ کر بیواؤں، یتیموں اور فقیروں میں تقسیم فرماتے تھے، یہ اسی کے نشانات ہیں۔ (خطبات حبان جلد ہفتم ،ص/176)

حضرت امام حسینؓ کا واقعہ

نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسینؓ کے پاس ایک فقیر آیا اور آواز لگائی کہ اللہ کے نام پر مجھے کچھ دیدو، ضرورت ہے، امام حسینؓ اوپر والے مکان میں تشریف رکھتے تھے نیچے اترے اور دروازے پر آکر اس فقیر کو اشرفی کی ایک تھیلی دیدی، اس نے کہا اے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایک اشرفی کی ضرورت تھی اور آپ نے سو اشرفی عنایت فرمادیں، آپ نے فرمایا کہ ان کو لے جاؤ یہ تمہارے مقدر کی تھی ایک شخص جو امام حسینؓ کے پاس بیٹھا

ہوا تھا عرض کیا یہ تو فضول خرچی ہے ایک آدمی کو ایک روپئے کی ضرورت ہے آپ نے اس کو سو دیدیئے، تو امام حسین ؓ نے فرمایا کہ یہ تیرے نزدیک فضول خرچی ہے مگر میرے نزدیک یہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ کہ تم سائل کو مت جھڑکو، اس کے سوال پر ناراضگی کا اظہار مت کرو، اس کے سوال پر چیں چیں مت کرو اور اپنے دل کو تنگ مت کرو، میں نے خیال کیا اگر اس سے یہ پوچھوں کہ تجھے کیا چاہئے؟ تو ہوسکتا ہے اس کو دیر ہو جائے اس لئے میں نے بغیر پوچھے ایک تھیلی لا کر دیدی۔ (فضیلت محرم الحرام، ص/78)

سیّدنا حضرت حسین ؓ کی سخاوت

ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں بیس یا تیس اُونٹ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوا تا کہ لوگوں سے کھجوروں کا سوال کروں تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عمرو بن عثمان اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما اپنے اپنے باغوں میں ہیں اس لیے ان سے جا کر مانگو چنانچہ سب سے پہلے میں حضرت عمرو بن عثمان کے پاس پہنچا اُنہوں نے دو اُونٹ بھر کر کھجوریں عطا فرمائیں پھر کسی شخص نے مجھے مشورہ دیا کہ تم حضرت حسین کے پاس جاؤ چنانچہ میں اُن کے باغیچے میں پہنچا میں انہیں پہچانتا نہیں تھا، دیکھا کہ ایک آدمی زمین پر بیٹھا ہے اور اُس کے اردگرد غلام بیٹھے ہیں درمیان میں ایک بڑا پیالہ ہے جس میں موٹی روٹی اور گوشت ہے اور وہ سب مل کر کھا رہے ہیں، میں نے جا کر سلام کیا اور دل میں سوچا کہ یہ آدمی تو شاید کچھ بھی نہ دے، بہرحال حضرت حسین نے مجھے بلایا اور اپنے ساتھ کھلایا پھر پانی کی ایک چھوٹی نہر کی طرف گئے اور پانی پیا اور ہاتھ دھوئے پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میں اپنے کچھ اُونٹ لے کر یہاں

حاضر ہوا ہوں میرا ارادہ آپ حضرات سے کھجوریں لے کر انہیں بھر کر لے جانے کا ہے، حضرت نے فرمایا کہ جاؤ اپنے اُونٹ لے آؤ چنانچہ میں لے کر حاضر ہوا تو فرمایا کہ اِس کوٹھری میں چلے جاؤ اس میں کھجوریں رکھی ہوئی ہیں جتنا بھر سکو بھر لو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اپنی ساری اُونٹیاں بھر لی اور چلا آیا اور دل میں سوچنے لگا کہ واقعی یہ ہے سخاوت۔ (مکارم الاخلاق ۲۷۰)

مناقب سیّدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما

حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ (حضرت) حسن نبی کریم کے جسم مبارک سے نصف اعلیٰ میں سر تا بہ سینہ تک بہت مشابہ تھے اَور (حضرت) حسین سینہ کے بعد سے قدم مبارک تک نبی کریم کے جسم اَطہر سے بہت ہی مشابہت رکھتے تھے۔ (ترمذی)

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضور اَقدس کی گود میں حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) تھے اَور آپ یہ دُعا فرما رہے تھے: اے اللہ! میں حسن اَور حسین (رضی اللہ عنہما) سے محبت کرتا ہوں، اے اللہ آپ بھی اِن دونوں کو اَپنا محبوب بنا لیجیے اَور اُن لوگوں سے بھی محبت فرمایئے جو اِن سے سچی محبت کریں۔

حضرت اَبو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضور نبی کریم ہمارے سامنے اِس طرح تشریف لائے کہ آپ کے ایک کاندھے پر حسن (رضی اللہ عنہ) اَور دُوسرے پر حسین (رضی اللہ عنہ) تھے۔ آپ غایتِ شفقت سے کبھی ایک کو پیار کرتے اَور کبھی دُوسرے کو۔

اِس پر حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ خدا کی قسم! آپ کو تو اِن دونوں بچوں سے بہت محبت معلوم ہوتی ہے۔ اِس پر نبی کریم نے فرمایا:

جو حسن اَور حسین (رضی اللہ عنہما) سے محبت کرے گا اُس نے دَرحقیقت مجھ سے محبت کی اَور جو اِن دونوں سے بغض رکھے گا وہ دَراصل مجھ سے بغض رکھنے والا ہے۔ (اَلبدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۰۵)

حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم سے دَریافت کیا گیا کہ آپ کو اہلِ بیت میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ تو اِس پر آپ نے اِرشاد فرمایا کہ سب سے محبوب مجھ کو حسن اَور حسین (رضی اللہ عنہما) ہیں اَور بار ہا آپ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا کرتے تھے: میرے پاس میرے دونوں بیٹوں حسن اَور حسین کو بُلا دو تا کہ میں اُن کو محبت سے اپنے سینے سے لگاؤں اَور پیار کروں۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز صبح کے وقت نبی کریم تشریف لائے، اِس شان سے کہ آپ ایک اُونی منقش کمبل اَوڑھے ہوئے تھے، اِتنے میں حسن بن علی آ گئے، آپ نے اِن کو اپنے کمبل میں داخل کرلیا پھر حسین بھی آ گئے، آپ نے اِن کو بھی اپنے کمبل میں داخل کرلیا پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو آپ نے اِن کو بھی اپنے کمبل میں داخل کرلیا اِن کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے آپ نے اِن کو بھی اِسی کمبل میں لے لیا۔ اِس کے بعد آپ نے قرآنِ کریم کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ اے پیغمبر کے گھر والو! تم سے (معصیت ونافرمانی کی) گندگی دُور رکھے اَور تم کو (ظاہراً و باطناً، عقیدۃً و عملاً و خلقاً) بالکل پاک وصاف رکھے۔ (ترجمہ اَز تفسیر بیان القرآن)

حکیم الامت حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ غرض کہ لفظ اہلِ بیت کے دو مفہوم ہیں۔ ایک اَزواج، دُوسرے عترت۔ خصوصیت قرائن سے کسی مقام پر ایک مفہوم مراد ہوتا ہے، کہیں دُوسرا، اَور کہیں عام بھی ہو سکتا ہے۔ (ج ۹ ص ۴۸)

حضرت زید بن اَرقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے ایک مرتبہ مقام خُم کے قریب جو مکہ اَور مدینہ کے درمیان واقع ہے، کھڑے ہو کر عام مسلمانوں کے سامنے خطبہ دیا۔ خطبہ میں حمد وثنا کے بعد مختلف نصیحتیں فرمائیں، اِس کے بعد اِرشاد فرمایا:

اے لوگو! میں بھی ایک اِنسان ہوں، عنقریب زمانہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے پاس میرے پروردگار کا پیامی آئے گا اَور میں اُس کی دعوت پر لبیک کہوں گا تو میں تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑ کر جاؤں گا، اُن میں پہلی چیز کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اَور نور ہے۔ تم کتاب اللہ کو مضبوط پکڑ لو اَور اُس کی حفاظت کی پوری پوری کوشش کرو (اِس کے بعد آپ نے مختلف طریقے پر کتاب اللہ کی حفاظت اَور اُس پر عمل کرنے کی رغبت دِلائی) اُس کے بعد اِرشاد فرمایا دُوسری چیز میرے اہلِ بیت ہیں۔ تم خدا سے ڈرنا میرے اہلِ بیت کے معاملے میں، تم اللہ سے ڈرنا میرے اہلِ بیت کے معاملے میں (یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ اِرشاد فرمایا)۔ (مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب ایک عراقی مُحرِم نے اِن سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ بحالتِ اِحرام مکھی کو مارنا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت اِبن عمر نے ناخوش ہوکر اِرشاد فرمایا: اہل عراق مجھ سے بحالتِ اِحرام مکھی مارنے کے بارے میں مسئلہ پوچھ رہے ہیں حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے رسول اللہ کے نواسے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دیا اَور یاد رکھو نبی کریم حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں دُنیا میں میری خوشبوئیں ہیں۔ (بخاری شریف)

حضرت اُم فضل رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز میں حسین (رضی اللہ عنہ) کو گود میں لیے ہوئے نبی کریم کے پاس حاضر ہوئی اَور آپ کی گود میں اُن کو بٹھلا دیا۔ آپ اِن کو گود میں لیے ہوئے تھے کہ میں پھر کسی کام میں لگ گئی۔ اَچانک جب میری نگاہ نبی کریم کے چہرہ اَنور پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے ہیں، حیرت سے میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کی آنکھوں سے آنسو کیوں جاری ہو رہے ہیں؟ نبی کریم نے اِرشاد فرمایا میرے پاس اَبھی جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تھے اَور مجھ کو مطلع

کیا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ میرے اُمتی میرے اِس پیارے بیٹے کو قتل کر دیں گے۔اُم فضل رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے دوبارہ تعجب سے معلوم کیا کہ کیا حسین (رضی اللہ عنہ) ہی کے ساتھ یہ معاملہ پیش آئے گا؟ آپ نے اِرشاد فرمایا: ہاں حسین ہی کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا۔(رواہ البیہقی فی دلائل النبوہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں جناب رسول اللہ کو دیکھا کہ آپ پراگندا بال غبار آلود تھے۔آپ کے دستِ مبارک میں ایک شیشی تھی جس میں خون تھا۔پس میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان،آپ کا یہ کیا حال ہے اَور یہ شیشی کیسی ہے؟ جناب رسول اللہ نے فرمایا: یہ حسین اَور اُن کے یاروں کا خون ہے، میں صبح سے اَب تک اِسے جمع کرتا رہا ہوں‘‘۔حضرت اِبن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اُس وقت کو اچھی طرح سے یاد رکھا۔پس میں نے پایا کہ حسین (رضی اللہ عنہ) ٹھیک اُسی وقت میں شہید کیے گئے۔(مظاہر حق ترجمہ مشکوۃ،رواہ البیہقی فی دلائل النبوہ ورواہ اَحمد)

مناقب سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جناب رسول اللہ نے اِرشاد فرمایا جس نے علی (رضی اللہ عنہ) کی شان میں گستاخی کی تو گویا اُس نے میری شان میں گستاخی کی۔(اَحمد)

حضرت براء بن عازب اَور زید بن اَرقم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ حجۃ الوداع سے واپس ہوتے ہوئے مقام غدیر خم پر پہنچے تو آپ نے حضراتِ صحابہ کرام کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کر یہ اِرشاد فرمایا کہ اے لوگو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمام مومنوں کے نزدیک اُن کی جانوں سے بھی عزیز تر ہوں۔سب نے تسلیم کرتے ہوئے عرض کیا بیشک ایسا ہی ہے۔اِس کے بعد آپ نے اِرشاد فرمایا کیا تم نہیں جانتے ہو کہ میں ہر مومن کو اُس کی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوں۔سب نے عرض کیا، بیشک ایسا ہی ہے۔اِس کے بعد آپ نے فرمایا:

اے اللہ! میں جس کا مولیٰ بن جاؤں، علی بھی اُس کے مولیٰ ہوں، اے اللہ! محبت کیجیے اُس شخص سے جو علی سے محبت کرے اَور دُشمن رکھیے اُس شخص کو جو علی سے دُشمنی رکھے۔

اِس اِرشاد کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو مبارکباد دی اَور فرمایا، اے اِبنِ اَبی طالب مبارک ہو، اَب تو آپ ہر مومن مرد وعورت کے مولیٰ بن گئے۔ (اَحمد)

حضرت حافظ علامہ ابن حجر مکیؒ نے فرمایا ہے

وایاہ ثم ایاہ ان یشتغل ببدع الرافضة ونحوهم من الندب والنیاحة والحزن اذ لیس ذالک من اخلاق المؤمنین والا لکان یوم وفاته ﷺ اولیٰ بذالک واحری۔

خبردار! خبردار! یوم عاشوراء کو روافض کی بدعات میں ہرگز مشغول نہ ہونا جیسا کہ مرثیہ خوانی، رونا، چلانا اور ماتم کرنا۔ یہ سب امور مسلمانوں کے نہیں اور اگر ان کا کچھ بھی تعلق اسلام سے ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا دن اس ماتم سرائی کے لئے زیادہ مستحق تھا۔ (صواعق محرقہ ص ۱۱۲)

علامہ حیات سندھی ثم المدنیؒ کا فتویٰ

روافض کی برائیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حضرت حسین کی قبر کا نقشہ بناتے ہیں اور اس کو سنوار کر گلی کوچہ میں لے کر گشت کرتے ہیں اور یا حسینؓ یا حسین پکارتے ہیں اور فضول خرچی کرتے ہیں یہ سب بدعت اور ناجائز ہے۔ (الرقضہ فی طہر الرفضہ)

محدث علامہ شاہ عبدالحق دہلویؒ کا فتویٰ

در صواعق گفتہ کہ طریقہ اہل سنت آنست کہ دریں روز ہم از مبتدعات فرقہ رافضیہ مثل ندبہ ونوحہ وعزا وامثال آں اجتناب کنند کہ نہ از داب موموناں است والا روز وفات حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولی واحری میبود!۔

اہل سنت کا طریقہ یہ ہے کہ یوم عاشوراء کو فرقۂ روافض کی بدعات مخترعہ مثلاً ماتم ونوحہ وغیرہ سے علیٰحدہ رہتے ہیں کہ یہ مومنوں کا کام نہیں ورنہ اس غم کا سب سے زیادہ حق دار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم وفات تھا۔ (شرح سفر السعادۃ ص ۵۴۳)

حضرت شاہ سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کا ارشاد

از جملہ بدعات رفضہ کہ در دیار ہندوستان اشتہار یافتہ ماتم وتعزیہ است در ماہ محرم بزعم محبت حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ایں بدعات چند چیزست اول ساختن نقل قبور ومقبرہ وعلم وشدہ وغیرہ واین معنی بالبداہت از قبیل بت سازی وبت پرستی است الخ۔

ماہ محرم میں حضرت حسین کی محبت کے گمان میں تعزیت اور تعزیہ سازی بھی روافض کی ان بدعات میں سے ہے جو ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان بدعتوں کی چند قسمیں ہیں۔ سب سے پہلے قبر ومقبرہ کی نقل علم وشدہ وغیرہ کہ یہ کھلے طور پر بت سازی اور بت پرستی کی قسم میں سے ہیں۔ (مجموعۂ ملفوظات عرف صراط مستقیم فارسی ص ۵۹)

شیعہ مذہب کی بنیاد ابن سبا نے رکھی اور ابن سبا کون تھا؟

انوار النعمانیہ کی عبارت میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ابن سبا یہودی تھا اور محض مقصد برآری کے لیے اوپر سے مسلمان ہوا اور یہ بات شیعہ کی کتب میں موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جس نے سب سے پہلے خدا کہا وہ کوئی اور نہیں خود عبداللہ بن سبا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جلا دیا تھا یا دیگر روایت میں ہے اسے جلاوطن کر دیا تھا اور امام جعفر صادق رضی اللہ نے بھی ابن سبا پر لعنت اس کے کفریہ عقائد کی بنا پر کی تھی اس کے ساتھ ساتھ جلاء العیون کی عبارت سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ جو عقائد ابن سبا کے تھے وہ ہی عقائد آج کے شیعہ کے ہیں۔

دوسری بات رجال کشی کے مصنف نے جو اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے ابن سبا اور اس کے عقائد سے بیزاری کو اس انداز سے پیش کیا ہے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ اہل تشیع بہت معصوم ہیں ان پر الزام لگا یا گیا ہے کہ مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا کے پیرو کار ہیں اور مذہب دراصل یہودیت کی ایک شاخ ہے یہ غلط ہے ہمارا راستہ اور ہے اور ابن سبا کا راستہ اور جب کے جلاء العیون کی عبارت سے صاف پتا چلتا ہے کہ شیعہ کہ عقائد اور ابن سبا کے عقائد ایک ہیں کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن سبا خدا مانتا تھا اور آج کے شیعہ کا بھی وہ ہی عقیدہ ہے اور رجال کشی کی عبارت دراصل اس امر کی تائید کرتی ہے کہ ہمارے مخالفین نے جو کچھ ہمارے متعلق کہا کہ شیعہ عبداللہ بن سبا کے پیرو کار ہے اور مذہب شیعہ دراصل یہودیت کا دوسرا نام ہے یہ بات درست ہے لہذا بانی مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا ہے۔ (الانوار النعانیہ، ص/206)

جو شیعہ یہ بات مانتے ہیں کہ ابن سبا کا وجود ہے تو وہ یہ نہیں مانتے کہ شیعت کا موجد یہ ہے ہم سنی جب یہ کہتے ہیں کہ ابن سبا شیعیت کا بانی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ایسی جماعت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو کہ اہل بیت سے محبت کرتی ہے بلکہ ہم اس کی نشاندہی کر رہے ہیں جو رافضی ہیں اور منافقانہ عقائد رکھتے ہیں یعنی ابو بکر وعمر رضوان اللہ کو کافر کہنا، قیامت سے پہلے امام کا واپس آنا اور ولایت تکوینیہ پر ایمان رکھنا وغیرہ شیعوں کا یہ ٹولہ کم سے کم اس حد تک اپنے بڑوں کی عزت کرتا ہے کہ وہ اپنی کتب میں موجود ابن سبا یہودی کا انکار نہیں کرتا پر وہ اس بات کو رد کرتے ہیں کہ شیعیت کا ابن سبا یا سبائی گروہ سے کوئی تعلق ہے وہ اس کے ثبوت میں آپ کو محمد بن حسن طوسی (رافضیوں کا مشہور عالم متوفی 460) کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہ خود ابن سبا یہودی کو کافر مانتے ہیں۔ (رجال طوسی ص 75 نمبر 718

طوسی کہتا ہے ابن سبا کافر ہو گیا تھا اور وہ غلو میں پڑ گیا تھا یہ رافضی الکاشی کی صحیح روایات

بھی پیش کرتے ہیں حوالہ کے طور پر جس میں اماموں نے ابن سبا یہودی پر لعنت کی ہے وہ اسی بنا پر ہی مانتے ہیں کہ ابن سبا یہودی کا وجود تھا لیکن شیعہ مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ابن سبا یہودی ایسا آدمی ہے جس کو لعنت کی گئی ہے اماموں کی طرف سے کیونکہ اس نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے بجائے ان کے رب ہونے کی پرچار شروع کردی۔

یہ لوگ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ حقیقت کو مسخ کیا جائے لیکن یہ حقیقت ہے کہ شیعہ علماء اس بات کو نہ صرف تسلیم کرتے ہیں کہ ابن سبا نے علی رضی اللہ عنہ کے رب ہونے کا پرچار کیا اس کے ساتھ یہ پہلا شخص ہے جس نے شیعوں کے دو بنیادی عقائد کی پرچار بھی کی جو کہ صرف شیعوں کے ٹولہ میں پائی جاتی ہیں ابن سبا یہودی وہ پہلا شخص ہے جس نے اعلانیہ حضرت ابوبکر وعمر، عثمان اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کھلا تبرا کیا بلکہ ان سے بیزاری کا اعلان کیا اور یہ بکواس بھی کی اسے ایسا کرنے کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے (جیسے آج کے رافضی بھی دعوی کرتے ہیں) سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو اسے قتل کرنے والے تھے لیکن لوگوں کے احتجاج کی وجہ سے اسے جلاوطن کردیا اس بات کو نوبختی، الکشی، سعد بن عبداللہ القمی نے قبول کیا ہے۔

ابن سبا وہ پہلا شخص ہے جس نے شہادت دی کہ امامت علی کا ماننا فرض ہے اور اس نے اعلانیہ ان کے دشمنوں سے بیزاری کی اور انہیں کافر قرار دیا (جو آج کے رافضیوں کے ایمان کا بھی حصہ ہے) یہ شیعہ علماء کی طرف سے ایک اور اقرار ہے جسے آسانی سے رد نہیں کیا جاسکتا۔

اسی کی بنیاد پر شیعوں کی مخالفت کی گئی اور بلا جھجک کہا گیا کہ رفض کی بنیاد یہود کے عقائد پر ہے اور یہی بات ہے جو کہ سب مسلمان مانتے ہیں اور اہل سنت کہتے ہیں شیعہ عقائد کی بنیاد ابن سبا یہودی کے عقائد پر ہے اور پھر رافضیوں کے بے تکے سوالوں کے جواب میں یہی کہتے ہیں۔

مثال کے طور پر رافضی کہتے ہیں شیعہ کا کون سا اصول ابن سبا سے لیا گیا ہے، شیعوں نے

کس فقہی مسئلے کو اس سے لیا ہے، کیا ہمارے امام ابن سبا کی تعریف کرتے تھے، ہم نے ابن سبا سے کتنی احادیث لیں ہیں کیا شیعہ پاگل یا جاہل ہیں کہ 1400 سالوں میں یہ نہیں جان سکے کہ ان کے عقائد کی بنیاد جھوٹی روایات پر ہے جو عبداللہ بن سبا کی طرف سے آئی ہیں اگر ابن سبا یہودی شیعوں کے لئے اتنا اہم ہے تو شیعوں نے اماموں کی طرح اس کی روایات کو کیوں نہیں نقل کیا یقیناً اگر ابن سبا شیعوں کا آقا ہوتا تو وہ ضرور اس کی روایات نقل کرتے اور اس پر فخر کرتے اس قسم کے سوالات کرنے والے العسکری، یاسر الخبیث، عمار نخوانی، الوائیلی وغیرہ ہیں اور ان کا سادہ سا جواب یہ ہے کسی بھی مسلم سنی عالم نے کبھی بھی یہ دعوی نہیں کیا کہ ابن سبا کی تقلید کی جاتی ہے یا اس کی تقلید رافضیوں کے لئے ضروری ہے ہم صرف یہ لکھتے آئے ہیں کہ رافضی صرف ابن سبا کے یہودی خیالات کی پیروی کرر ہے ہیں۔

مثال کے طور پر آج کے عیسائی کبھی یہ نہیں مانتے کہ وہ ان کی مذہب کی بنیاد سیدنا مسیح علیہ السلام کی عقائد پر نہیں ہے بلکہ پال یہودی جاہل کے عقائد پر ہے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے شیعہ (پیروکار) ہیں اسی طرح شیعیت ایک ایسی جماعت ہے جس کی بنیاد رکھنے والا ایک یہودی عبداللہ ابن سبا ہے خاص طور پر صحابہ کی تکفیر اور امامت علی کے فرض ہونے کے عقائد اہل بیت کے نہیں ہیں بلکہ یہ عقائد ابن سبا یہودی کے ہیں جس نے ان عقائد کی بنیاد رکھی اور وہی بقول شیعہ علماء کے پہلا شخص ہے جس نے ان عقائد کی لوگوں میں پرچار کی، اسی لئے ابن سبا کو روافض کا بانی کہا جاتا ہے اور تا قیامت کہا جائے گا۔

ابن سبا رافضیوں کا روحانی باپ ہے اور ایسی عقائد کی بنیاد رکھنے والا ہے جو کسی بھی فرقے میں نہیں ملتے سوائے رافضیوں کے (خاص اثنا عشریوں میں) جو بھی کہتے ہیں کہ ابن سبا نے شیعیت کی بنیاد رکھی اس کی وجہ اس کے عقائد ہیں خاص کر صحابہ کی تکفیر، تبرہ، علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو اور وہ ان عقائد کی وجہ سے ہی مشہور ہے۔

شاید کوئی کوشش کرے کہ ایسے عقائد ابن سبا سے پہلے بھی تھے لیکن وہ اس کے لئے کوئی بھی چیز نہیں ڈھونڈ سکتا۔

اگر کوئی کہے کہ ابن سبا نے شیعیت کی بنیاد رکھی جس میں شیعیت کے سب کے سب عقائد بشمول امامت کے آتے ہیں تو اس بات کا کسی نے بھی دعوی نہیں کیا اور نہ ہی ایسی چیز لکھی ہے مقصد کی بات یہ ہے ابن سبا یہودی نے رفض کی بنیاد رکھی جو کہ اہل بیت کے نام پر کی گئی اور آج تک اثنا عشری فرقہ اس کی تقلید میں صحابہ کرام خاص کر حضرت ابوبکر وعمر رضوان اللہ علیہم کی تکفیر کرتا آرہا ہے۔

قال عبد الله بن سبأ لعلي عليه السلام: أنت الإله حقاً، فنفاه علي عليه السلام إلى المدائن، وقيل أنه كان يهودياً فأسلم، وكان في اليهودية يقول في يوشع بن نون وفي موسى مثل ما قال في علي۔

عبداللہ بن سبا نے علی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آپ رب ہیں تب علی رضی اللہ عنہ نے اس کو مدین کی طرف جلاوطن کر دیا کہا جاتا ہے کہ وہ یہودی تھا اسلام لے آیا جب یہودی تھا تو یوشع بن نون کے بارے میں وہی کہتا تھا جو علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتا تھا سب شیعہ علماء نے ابن سبا اس کے عقائد اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں ذکر کیا ہے سید قمی جو کہ 301 ہجری میں وفات پاگئے، شیخ طائفہ الطوسی، تستری نے قاموس رجال میں، عباس قمی نے تحفہ الاحباب، انصاری نے روضات الجنات، ناسخ التواریخ اور روضات الصفا کے مصنفین نے بھی اس کا ذکر کیا اس ساری بحث سے ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ عبداللہ بن سبا کا وجود ہے جو کہ یہودی تھا اور اس کی جس نے مدد کی یا اس کے عقائد اپنائے ان کو سبائی کہا جاتا ہے علماء شیعہ اس حقیقت سے بالکل واقف ہیں کہ وہ ہر ثبوت کو رد نہیں کر سکتے جو کہ ہم نے یہاں نقل کی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ الکاشی مین امام ابن سبا کو لعنت کرتے دکھائی دیتے ہیں کیا امام ایک فرضی شخص پر لعنت کر سکتے ہیں۔اور وہ

لوگ جو ابن سبا کے وجود کا انکار کرتے ہیں جن میں یاسر الخبیس ،العسکری ،الوائلی اور دوسرے رافضی ہین لیکن آپ نے دیکھا کہ ہم نے ان کے خیال کا رد پیش کیا اب ان کے پاس اس پر کھڑے رہنے کے لئے ٹانگ نہیں ہے کیونکہ ان کے اماموں نے ابن سبا کو لعنت کر کہ وہ ٹانگیں ہی کھینچ لی ہیں۔

حروریہ

حروریہ خوارج کا ایک گروہ ہے جس کے افراد علی بن ابی طالب ؓ کے مخالف ہو گئے تھے اور انہوں نے ان کے خلاف مسلح بغاوت کی تھی۔ جب علی المرتضی نے اپنے اور معاویہ بن سفیان کے مابین تحکیم (جنگ صفین کے موقع پر علی المرتضی نے صلح کیلئے دو ثالثوں کے ذریعے فیصلہ کرانا چاہا جسے خوارج کفر وشرک کہتے ہیں) کو قبول کیا تو انہوں نے ان کی تکفیر کی۔ انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ صفین سے واپس لوٹنے پر یہ لوگ کوفہ کے قریب واقع ''حروراء'' نامی جگہ پر جمع ہوئے اور جب علی المرتضی ؓ کے مخالف ہوئے تو سب سے پہلے یہیں سے ان کا نعرۂ تحکیم بلند ہوا اور اسی جگہ یہ اکٹھا ہوئے۔ انہیں "اہلِ نہروان" بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ علی المرتضی نے اس مقام پر ان سے جنگ کی تھی۔ اور اسی طرح انہیں "المُحَكِّمة" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کا نعرہ جس کے گرد یہ مجتمع ہوئے تھے وہ لاَ حُكمَ إلا لله تھا۔ اسی طرح انہیں "النواصب" کا نام بھی دیا گیا کیونکہ انھوں نے علی اور ان کے ساتھیوں سے دشمنی اور بغض رکھا اور بہت سے سابقین اولین، بدری صحابہ سے براءت کا اظہار کیا۔ انہیں "وعیدیہ" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان کے جان و مال کو وہ اپنے لئے حلال گردانتے ہیں۔ بعدازاں اس اسم کا اطلاق ہر اس شخص پر ہونے لگا جو ان کے فاسد مذہب کی پیروی کرے اور ان کی غلط راہ پر چلے۔ اس گروہ کے نزدیک اعمال ایمان کے اجزاء تقویمی ہیں' صغیرہ گناہ کرنے کے بعد بھی آدمی کافر

ہوجاتا ہے۔ یہ لوگ علی المرتضیٰ، عثمان غنی اور امیر معاویہ کو کافر کہتے ہیں اور ان حضرات پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پاتی زیر آیہ نمبر 21 سورہ النبا)

کیا صحابہ کرامؓ معیارِ حق ہیں

صحابہ کرام معیارِ حق ہیں یعنی ان کے اقوال وافعال حق و باطل کی کسوٹی ہیں۔ ان حضرات نے جو کچھ فرمایا اور جو دینی کام کئے وہ ہمارے لئے مشعل راہ اور ذریعہ نجات وفلاح ہے اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ فاسق وفاجر ہیں اور اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الاَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الأَنْهٰرُ۔ (التوبہ:۱۰۰)

أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (البقرہ:۵)

أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ۔ (الحجرات:۷)

صحابہؓ کرام کی سب سے بڑی شان یہ ہے کہ وہ آقائے نامدار ﷺ کے تربیت یافتہ اور پاک صحبت یافتہ خوش نصیب شخصیات ہیں۔ صحابہؓ کرام ہی وہ ذریعہ ہیں جن کے توسط سے قرآن وحدیث اُمت تک پہنچا۔ صحابہؓ کرام وہ انمول موتی ہیں جنھوں نے براہِ راست رسالت مآب ﷺ سے رہنمائی حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی۔ صحابہؓ اکرام کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہؓ کرام کو اپنی رضا کا پروانہ جاری فرماتے ہوئے معیارِ ایمان قرار دیا۔ یہ وہ پاک جماعت ہے جسے خود رسول اللہ ﷺ نے ستاروں سے تعبیر کیا اور ارشاد فرمایا ''میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں، اِن میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے'' ۔قرآن میں رب ذوالجلال نے متعدد مقامات پر صحابہ اکرمؓ کی تعریف بیان فرمائی ہے، کہیں فلاح

پانے والے کہہ کر مخاطب کیا اور کہیں ہدایت یافتہ کہہ کر مخاطب کیا ، کہیں مومن کہہ کر مخاطب کیا اور کہیں سچا کہہ کر مخاطب کیا۔ اس سے بڑھ کر صحابہؓ کرام کا مقام کیا ہوسکتا ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ، ''جس نے میرے صحابہؓ سے محبت کی، اُس نے گویا مجھ سے محبت کی اور جس نے میرے صحابہؓ سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا''۔ صحابہؓ کرام تمام کے تمام ہی افضل و اعلیٰ مرتبت ہیں لیکن اُن میں بعض ایسے بھی ہیں جنھیں مخصوص منزلت عطاء ہوئی، جیسے ''سابقون الاولون'' یہ وہ صحابہؓ کرام ہیں جو سب سے اوائل دور میں اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ ان میں سیدنا ابُوبکرؓ الصدیقؓ، سیدنا علیؓ المرتضیٰؓ جیسے عالی المرتبت صحابہؓ شامل ہیں۔ اسی طرح جن کے حصے میں دینِ اسلام کے لئے ہجرت جیسی آزمائش آئی وہ مہاجرین کہلائے ، اِن مہاجرین کی نصرت کرنے والے صحابہ کرامؓ انصار کہلائے اور اِن دونوں جماعتوں کا ذکر بطورِ خاص قرآن میں متعدد بار انتہائی اعزاز و کرامؓ کے ساتھ آیا ہے۔ ان کے درجات بہت ہی بلند ہیں۔ پھر وہ صحابہ کرمؓ بھی اپنے اعزاز میں یکتا ہیں جو غزوہء بدر میں شامل تھے، ان کا اعزاز یہ ہے کہ ان بدری صحابہ کرمؓ کو تخصیص کے ساتھ اللہ کی رضا کا پروانہ جاری ہوا۔ اسی طرح دس وہ خوش نصیب صحابہ کرامؓ بھی اپنی منزلت کے حوالے یکتا ہیں جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ یہ وہ دس خوش نصیب صحابہؓ کرم ہیں جنھیں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت دے دی تھی۔ اللہ اکبر! کیسا عظیم مرتبہ ہے صحابہؓ کا، کیسی اونچی شان ہے صحابہؓ کی۔ غزوہء احد، غزوہء خندق، غزوہء تبوک، فتح مکہ میں شامل صحابہؓ کی عظمت ایک الگ باب ہے۔

اسی طرح حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پر مامور حبشہ کے سیدنا بلالؓ کی خوش بختی پر سارا جہاں رشک کرتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی رفاقت پر سارا جہان رشک کرتا ہے، حضرت عمر فاروقؓ کی جاں نثاری پر دنیائے اسلام کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ سیدنا عثمانؓ ذوالنورین کی نسبتوں

کے کیا کہنے! اور علیؓ المرتضی جیسے مردِ مومن اور فاتح خیبر کے کارناموں کا ذکر تا قیامت جاری رہے گا۔ ہر ایک صحابی شان والا ہے، ایک ایک صحابی اپنی منفرد عظمتیں سمیٹے آسمان ہدایت پر جگمگا رہا ہے۔ صحابہؓ کرام میں ایک فہرست اُن کی بھی ہے جنھیں کاتبان وحی کہا جاتا ہے، اُن کی عظمت اور شان کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایک اور عظیم صحابی، اسلام کے پہلے بحری بیڑے کے امیر البحر سیدنا امیر معاویہؓ کی فراست بھی کمال کی ہے جنھوں نے اللہ کے دین یعنی رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا پرچم 66 لاکھ مربع میل پر لہرا دیا۔ اس کے علاوہ بیعتِ رضوان میں شامل صحابہؓ کرم سے اللہ نے اپنی رضا کا اظہار جس تاکید کے ساتھ قرآن میں بیان فرمایا ہے وہ ایسا عظیم عنوان ہے جس کا ایک ایک لفظ صحابہؓ کرم کی عظمتوں کا گواہ ہے۔ اخوت، بھائی چارہ، امن، ایمان داری، صداقت، عدالت، سخاوت، شجاعت، فراست، شہادت، ان تمام عنوانات کا استعارہ صحابہؓ کرام ہیں۔ آدھی دنیا پر حکومت کرنے والے صحابہؓ کرم کی اپنی زندگی فقیرانہ گزری، قیصر و کسری کو زمین بوس کرنے والے صحابہؓ کرم جب مدینہ کے سرزمین پر چلتے تو عاجزی بھی ان کے قدم چومنے لگتی۔ روم کے خزانوں کو فتح کرنے والے صحابہؓ خود پیوند لگے کپڑوں میں زندگی بسر کر گئے۔ صحابہؓ کرام وہ عظیم المرتبت شخصیات ہیں کہ امت ان کے احسانوں کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔ سرزمینِ عرب کے رہنے والے صحابہؓ دین کی اشاعت کے لئے پورے دنیا میں پھیل گئے اور واپس کبھی پلٹ کر اپنے گھر کی راہ نہیں دیکھی جس کا صدقہ ہے کہ آج ہم اور آپ مسلمان ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی پاک جماعت کو صحابہؓ اکرام کہا جاتا ہے اور لفظ صحابہؓ سے مراد بھی صحبتِ پیغمبری ﷺ کے شرف یافتہ لوگ ہیں۔ وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کے دیدار سے نوازے گئے، آپ ﷺ کی خدمت پر مامور رہے، آپ ﷺ کی صحبت میں رہنا جنھیں نصیب ہوا، ایسے چنیدہ نفوس کو صحابہؓ کرم کہا جاتا ہے، یہ وہ چنیدہ ہستیاں

ہیں جن کی جان رسول اللہ ﷺ کے ایک اشارے کی منتظر رہتی، جن کا مال ہمیشہ رسولِ خدا ﷺ کے قدموں میں نثار رہتا، جن کی آل اولاد دین اسلام کی سربلندی کے لئے وقف رہتی اور بدلے میں ان کا مقصد محض اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی رضا کے سوا کچھ نہ ہوتا صحابہؓ کہلاتے ہیں۔ ہمیں بحیثیت امت صحابہؓ کی تعظیم سمیت ان کی تقلید کی ضرورت ہے تا کہ ان کے نقش قدم پر چل کر ہم دنیا وآخرت میں سرخرو ہو سکیں۔ (شہدائے اسلام، ص/78)

صحابہ کرامؓ کی عظمت ومحبت شرط ایمان ہے

وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ ۔(سورۂ حشر پ ۲۸)

اس مقام میں حق تعالیٰ نے پوری امت محمدیہ کے تین طبقے کئے ہیں۔ مہاجرین، انصار، اور باقی تمام امت، مہاجرین وانصار کے خاص اوصاف اور فضائل بھی اس جگہ ذکر فرمائے مگر باقی امت کے فضائل اور اوصاف میں سے صرف ایک چیز یہ بتلائی کہ وہ صحابۂ کرام کی سبقت ایمانی اور ایمان کے ہم تک پہنچانے کا ذریعہ ہونے کو پہچانیں، اور سب کے لیے دعاء مغفرت کریں اور اپنے لیے یہ دعا کریں کہ ہمارے دلوں میں کسی مسلمان سے کینہ ونفرت نہ رہے اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام کے بعد والے جتنے مسلمان ہیں ان کا ایمان واسلام قبول ہونے اور نجات پانے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ صحابۂ کرام کی عظمت ومحبت اپنے دلوں میں رکھتے ہوں اور ان کے لیے دعا کرتے ہوں جس میں یہ شرط نہیں پائی جاتی وہ مسلمان کہلانے کے قابل نہیں۔ اسی لیے حضرت مصعب بن سعدؓ نے فرمایا کہ امت کے تمام مسلمان تین درجوں میں ہیں جن میں دو درجے تو گزر چکے، یعنی مہاجرین و انصار، اب صرف ایک درجہ باقی رہ گیا یعنی وہ جو صحابۂ کرام سے محبت رکھے، ان کی عظمت پہچانے اب اگر تمہیں امت میں کوئی جگہ حاصل کرنی ہے تو اسی تیسرے درجہ میں داخل ہو جاؤ۔

قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ صحابۂ کرام کی محبت ہم پر واجب ہے۔ (معارف القرآن ۸/۳۸۱)

صحابۂ کرامؓ کے فضائل اور ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم''۔ (بخاری)

یعنی تمام زمانوں میں میرا زمانہ بہتر ہے اس کے بعد اس زمانے کے لوگ بہتر ہیں، جو میرے زمانہ کے متصل ہیں، پھر وہ جو اِن کے متصل ہیں۔

(۲) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص اللہ کی راہ میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو وہ ان کے خرچ کئے ہوئے کے ایک مد (آدھا سیر) کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور نہ نصف مد کے برابر۔ (بخاری شریف)

(۳) حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو سارے جہاں میں پسند فرمایا پھر میرے صحابہ میں چار کو پسند فرمایا ہے، ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (بزار مسند صحیح)

(۴) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ''اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذ وہم غرضا من بعدی'' (جمع الفوائد) اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے معاملہ میں میرے بعد ان کو طعن وتشنیع کا نشانہ مت بناؤ، کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذاء پہنچائی اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی، اور جو اللہ کو ایذاء پہنچانے کا قصد کرے قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ ے گا۔ (معارف القرآن ۸/۹۶ پ ۲۶)

صحابۂ کرامؓ کی ایک فضیلت

فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (پ۲۶)

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ بغیر علم کے اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا جائے وہ گناہ تو نہیں مگر ایک عیب اور عار اور ندامت وافسوس کا سبب ضرور ہے۔

اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے ساتھ حق تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اگرچہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں مگر عامۃً ان کو خطاؤں اور عیبوں سے بچانے کا قدرتی انتظام ہوجاتا ہے۔ (معارف القرآن ۸/۸۶)

تمام صحابۂ کرامؓ جنتی اور دوزخ سے محفوظ ہیں

(۱) محمد بن کعب قرظیؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں، انہوں نے کہا صحابۂ کرام سب کے سب جنت میں ہیں اگرچہ وہ لوگ ہوں جن سے دنیا میں غلطیاں اور گناہ بھی ہوئے ہیں اس شخص نے دریافت کیا کہ یہ بات آپ نے کہاں سے کہی (اس کی دلیل کیا ہے؟) انھوں نے فرمایا کہ قرآن کریم کی یہ آیت پڑھو، ’’وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ‘‘ اس میں تمام صحابۂ کرام کے متعلق بلا کسی شرط کے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ارشاد فرمایا ہے البتہ تابعین کے معاملہ میں اتباع باحسان کی شرط لگائی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام بلا کسی قید وشرط کے سب کے سب بلا استثناء رضوان الٰہی سے سرفراز ہیں۔

(۲) تفسیر مظہری میں یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ میرے نزدیک سب صحابۂ کرام کے جنتی ہونے پر اس سے بھی زیادہ واضح استدلال اس آیت سے ہے: ’’لَایَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ‘‘۔ (پ:۲۷)

اس آیت میں پوری صراحت سے یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ صحابہ کرام اولین ہوں یا آخرین سب سے اللہ تعالیٰ نے حسنی یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (معارف القرآن ۴/ ۴۵۰)

(۳) حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جہنم کی آگ اس مسلمان کو نہیں چھو سکتی جس نے مجھے دیکھا ہے یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے۔ (معارف القرآن: ۴۵۰، ج: ۴، پ: ۱۱)

(۴) لَايَسْتَوِىْ مِنكُمْ مَّنْ اَنفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَّكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ (پ ۲۷)

آیات مذکورہ میں اگر چہ صحابۂ کرام میں باہمی درجات کا تعامل ذکر کیا گیا ہے لیکن آخر میں فرمایا "وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" یعنی باوجود باہمی فرق مراتب کے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ یعنی جنت ومغفرت کا وعدہ سب ہی کے لیے کرلیا ہے، یہ وعدہ صحابۂ کرام کے ان دونوں طبقوں کے لیے ہے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے یا بعد میں اللہ کی راہ میں خرچ کیا، اور مخالفین اسلام کا مقابلہ کیا اس میں تقریباً صحابہ کرام کی پوری جماعت شامل ہو جاتی ہے کیونکہ ایسے افراد تو شاذ و نادر ہی ہو سکتے ہیں جنہوں نے مسلمان ہونے کے باوجود اللہ کے لیے کچھ خرچ بھی نہ کیا ہو۔ اور مخالفین اسلام کے مقابلہ ومقاتلہ میں بھی شریک نہ ہوئے ہوں اس لیے قرآن کریم کا یہ اعلان مغفرت ورحمت پوری جماعت صحابہ کرام کے لیے عام اور شامل ہے۔

ابن حزم نے فرمایا کہ اس کے ساتھ قرآن کی دوسری آیت سورۂ انبیاء کو ملاؤ جس میں فرمایا ہے " اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰئِکَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ " یعنی جن لوگوں کے لیے ہم نے حسنیٰ کو مقرر کر دیا ہے، وہ جہنم سے ایسے دور رہیں گے کہ اس کی تکلیف دہ آوازیں بھی ان کے کانوں تک نہ پہنچیں گی اور اپنی دلخواہ نعمتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

صحابیؓ کو عذاب قبر ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اور جن احادیث میں صحابۂ کرام پر مرنے کے بعد عذاب کا ذکر آیا ہے، وہ عذاب آخرت وعذاب جہنم کا نہیں برزخی یعنی قبر کا عذاب ہے۔ یہ کوئی بعید نہیں کہ صحابہ کرام میں سے اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور اتفاقاً توبہ کر کے اس سے پاک ہو جانے کا بھی موقع نہیں ہوا تو ان کو برزخی عذاب کے ذریعہ پاک کر دیا جائے گا، تاکہ آخرت کا عذاب ان پر نہ رہے۔ (معارف القرآن ۸/ ۲۹۹)

صحابہؓ پر تنقید جائز نہیں

قیامت تک وہی فرقہ اہلِ حق کہلائے گا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مطابق دین کی تشریح کرے گا، جو فرقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی روِش سے جتنا دور ہوگا، وہ حق سے اتنا ہی دور ہوگا، اور جو جتنا قریب ہوگا وہ حق سے اتنا ہی قریب ہوگا، اہل السنۃ والجماعۃ کا کوئی فرد ایسا نہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر لعن طعن کو جائز سمجھتا ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عدالت پر امتِ مسلمہ میں سلف وخلف کا اجماع ہے، محدثین نے روایتِ حدیث کی تحقیق میں جرح وتعدیل کے اصول مرتب کیے؛ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی چوکھٹ پر آکر سب کے سب رُک گئے، کسی نے ایک قدم آگے نہیں بڑھایا۔ ہر ایک نے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو عادل وصادق قرار دیا، کسی کو نقد وجرح کا نشانہ نہیں بنایا۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے علاوہ فرقوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو نشانہ بنایا، مثلاً ماضی بعید میں معتزلہ اور خوارج نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو تنقید کا نشانہ بنایا، شیعوں نے مخالفت میں نہایت مکروہ روش اختیار کی، یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو کافر ومرتد کہتے ہوئے بھی نہیں چوکتے، عصر حاضر کے بعض فرقے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے سلسلے میں انھیں

باطل فرقوں کی روش پر ہیں؛ مثلاً ” جماعتِ اسلامی کے سربراہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے جگہ جگہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر تنقید کی ہے، ان کی کتاب ” خلافت وملوکیت“ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ (خلافت وملوکیت، ص: ۱۴۳)

علمائے دیوبند نے سلفِ صالحین کی طرح بلا استثناء سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو عادل ومعتبر سمجھا ہے، ان کے نزدیک احکامِ شرعیہ کے لیے ایک طرف آیات واحادیث مآخذ ہیں، دوسری طرف آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی مآخذِ شریعت ہیں، ان سے بھی شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست دیکھا، اسلام کا کون سا حکم ناسخ اور کون سا حکم منسوخ ہے؟ یہ وہی بتا سکتے ہیں، کون سا عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا اور کون سا امت کے لیے تھا؟ سب کو اچھی طرح جانتے تھے۔

قرآن وحدیث کی تشریحات کے ناقابلِ اعتماد ہونے کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو درمیان سے نکال دیا جائے، مسلمانوں کے جس فرقے نے آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو درمیان سے نکال دیا، ان کی تحریروں کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ انھوں نے دین میں اپنی طرف سے بہت سی باتیں بڑھا دی ہیں؛ بلکہ انھوں نے دین اور احکامِ شرعیہ کو کھلونا بنا رکھا ہے شیعہ، جماعتِ اسلامی اور غیر مقلدین سب نے ایک ہی حجام سے سر مونڈوایا ہے۔

علمائے دیوبند نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں بار بار درج ذیل موقف کی صراحت کی ہے کہ:

۱- حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور منتخب بندے ہیں، انبیائے کرام عزوجل تعالیٰ کے علاوہ جن وانس کا کوئی بھی فرد ان کے مقام ومرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

۲- عہدِ نبوی کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا دور سب سے بہتر ہے۔

۳- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت ہے

اور اُن سے بغض وعناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعناد کی نشانی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اذیت دینا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے کے مرادِف ہے۔

۴-صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عیب جوئی کرنا اور ان کو تنقید وتنقیص کا نشانہ بنانا حرام، ناجائز اور اکبرُ الکبائر گناہ ہے۔

۵-امت کا سارا مجد وشرف، بزرگی اور وقار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ وابستگی پر موقوف ہے، اور ان کا قول وعمل امت کے لئے حجت ہے۔

جو لوگ رطب ویابس تاریخی روایات پر اعتماد کر لیتے ہیں، اور محض ان بے سروپا روایات کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر سخت وسست تنقید کرنے لگتے ہیں، ان کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فقہائے امت نے اس کی تاکید فرمائی ہے کہ عقائد واحکام اور حلال وحرام کے باب میں ان روایات کی ہرگز کوئی اہمیت نہیں وہ ناقابلِ اعتبار ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے عقیدت واحترام کا راست تعلق عقائد سے ہے، عقیدے کے بغیر دین وایمان سلامت نہیں رہ سکتا۔ (مقامِ صحابہ، ص:۲۳)

اخیر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہ کا ایک مکتوب نقل کرنا مناسب ہے، فرماتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیثِ صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں؛ مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں؛ اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات واحادیثِ صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہوگا"۔ (مکتوباتِ شیخ الاسلام:۱/ ۲۴۲، مکتوب نمبر:۸۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بغض رکھنے والا اسلام خارج ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وہ مبارک ہستیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے

حبیب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صحبت اختیار کرنے کے لئے منتخب فرمایا اوران کی عظمت وشان کوقرآنِ مجید میں بیان فرمایا،لیکن افسوس! کچھ لوگ خودکومسلمان بھی کہتے ہیں اوران کے سینے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بغض سے بھرے ہوئے ہیں ،انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لئے اِستغفار کرنے کاحکم دیا گیالیکن یہ انہیں گالیاں دیتے ہیں جیسا کہ اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہانے فرمایا:لوگوں کوحکم تویہ دیا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کیلئے اِستغفارکریں اور کرتے یہ ہیں کہ انہیں گالیاں دیتے ہیں۔(مسلم، کتاب التفسیر، ص۱۶۱۱، الحدیث:۱۵(۳۰۲۲)

ایسے لوگوں کے لئے درج ذیل حدیثِ پاک میں بڑی عبرت ہے:

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق اللہ سے ڈرواللہ سے ڈرو،میرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں اللہ سے ڈرواللہ سے ڈرو،میرے بعدانہیں نشانہ نہ بناؤ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تومیری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اورجس نے ان سے بغض رکھاتومیرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھااورجس نے انہیں ستایااس نے مجھے ستایااورجس نے مجھے ستایااس نے اللہ کوایذادی اورجس نے اللہ کوایذادی توقریب ہے کہ اللہ اسے پکڑے۔(ترمذی ، ابواب المناقب ، باب فیمن سبّ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، ۵/ ۳۰۲، الحدیث:۳۸۶۴، دار ابن کثیر، بیروت)

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کوہدایت اورعقلِ سلیم عطافرمائے اوران کے دلوں کوصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عظمت وشان سے معمورفرمائے آمین۔

واقعہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ اوراس کے عبرت خیز پہلو

سیدناوسیدالشباب اہل الجنہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ شہادت نہ صرف اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے بلکہ پوری دنیا کی تاریخ میں بھی اس کو خاص امتیاز حاصل

ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک واقعہ تاریخ انسانیت کا ایک ایسا سانحہ ہے، جسے رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جاسکتا، نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جگر گوشۂ بتول، سردار جوانان جنت کو جس بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا، وہ تاریخ اسلام کا خونچکاں باب بن چکا ہے، جب ان کی خون کی سرخی سے کربلا کی زمین لالہ زار ہورہی تھی تو یہ دل دوز منظر دیکھ کر زمین و آسمان تک رو پڑے تھے، ابن اثیر وغیرہ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعے کے بعد دو تین مہینے تک فضائے آسمان سرخ رہی، یہاں تک کہ جب سورج طلوع ہوتا اور اس کی کرنے در و دیوار پر پڑتیں تو ایسا لگتا جیسے دیواروں پر خون پھیر دیا گیا ہوں۔

ہر سال محرم کا مہینہ آتے ہی ذکرِ غم حسین رضی اللہ عنہ اور یاد شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے فضائیں گونجنے لگتی ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو یاد حسین رضی اللہ عنہ میں سینہ کوبی کرتے نظر آتے ہیں، مگر انہیں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا، کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی اور اپنے پیاروں کی جان کی قربانی کیوں دی؟ وہ مدینہ چھوڑ کر کس مقصد کے لیے عراق جارہے تھے؟ شہادت کا واقعہ کس طرح پیش آیا؟ کون لوگ اس کے ذمہ دار تھے؟ کس مقصد کے لئے ان کو شہید کیا گیا؟ وقت کے ساتھ ساتھ اس قصے میں بہت سی بے سروپا اور من گھڑت باتیں شامل ہوگئی ہیں اور اصل واقعہ دھندلا پڑتا جارہا ہے، ضرورت ہے کہ اس واقعے کو اس کے حقائق کے ساتھ زندہ رکھا جائے اور اس مقصد کو بھی پیش نظر رکھا جائے، جس کے لیے حضرت حسین نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ (محرالحرام کی یادیں، ص/66)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی ولی عہدی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایام سے اس واقعہ کو جوڑ کر دیکھئے انہیں مختلف لوگوں کی طرف سے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ آپ کی زندگی میں نظام خلافت کی بنیادوں کو اس

طرح مستحکم کردیں کہ کوئی انہیں ہلا نا سکے اوراس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد نامزد فرمادیں، عراق کے شہر کوفے سے چالیس مسلمانوں پر مشتمل ایک وفد نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یزید بڑا قابل شخص ہے، مملکت اسلامیہ کے امور پر اس کی گہری نظر ہے، بہتر ہوگا کہ آپ اپنی زندگی ہی میں عمائدین مملکت اور مخصوص افراد سے یزید کی خلافت پر بیعت لے لیں تاکہ آپ کی زندگی ہی میں یہ مسئلہ حل ہو جائے، اور آپ کے بعد ملت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر نہ ہو، اس وقت یزید کی اخلاقی صورت حال بھی لوگوں پر خاص طور پر ان کے والد بزرگوار پر منکشف نہیں تھی، شروع میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ تجویز قبول کرنے میں کچھ تردد بھی تھا، لیکن مختلف جہتوں سے اصرار بڑھا تو وہ اس تجویز کو مسترد نہ کرسکے، بالآخر یزید کی ولی عہدی اور اس کی خلافت پر بیعت کا وہ حادثہ رونما ہو گیا جو شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے انسانیت سوز سانحے کا سبب بنا، فتنہ سازوں نے پوری منصوبہ بندی کر رکھی تھی، چنانچہ مملکت اسلامیہ کے طول وعرض میں یہ خبر پھیلا دی گئی کہ یزید کی خلافت کا اعلان ہو چکا ہے، اور شام، عراق، کوفہ، بصرہ سمیت تمام بڑے شہر اس کی خلافت پر متفق ہو گئے ہیں اب صرف حجاز باقی ہے، وہاں کے لوگ بھی اگر بیعت کرلیں تو کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جو یزید کی خلافت وامارت پر متفق نہ ہو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے گورنر مروان کو لکھا کہ وہ یزید کی خلافت کا اعلان کرے اور لوگوں سے بیعت لے، اس نے مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ دیا کہ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے پیش رو خلفاء حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت کے مطابق اپنے بعد کے لیے انہوں نے یزید کا نام طے کیا ہے آپ حضرات بھی اس کی خلافت پر بیعت کرلیں، حجاز کے لوگ جن میں کئی صحابہ بھی تھے یزید کی خلافت پر متفق نہیں تھے، اول تو ان کی نظر میں یہ طریقہ ہی غلط تھا کہ باپ کے بعد خلافت کو وراثت کے طور پر اولاد کی طرف منتقل کر دیا جائے، دوسرے وہ یزید

کے حالات سے بھی بے خبر نہیں تھے ،ان کی نگاہ میں وہ اس ذمہ داری کا اہل نہیں تھا،اس لیے مروان کی تقریر پر لوگوں کا ردعمل منفی رہا، یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سن ۵۱ ہجری میں خود حجاز کا سفر کیا، پہلے مدینہ منورہ تشریف لائے ،وہاں انہوں نے امیر المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا کے مدینہ کے فلاں فلاں حضرات میری مخالفت کر رہے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے سنا ہے آپ ان پر زبردستی کر رہے ہیں، اور انہیں قتل تک کی دھمکی بھی دے رہے ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید کی اور کہا کہ یہ محض افواہ ہے البتہ یزید کی خلافت پر تمام شہروں کے باشندے متفق ہو چکے ہیں، بیعت مکمل ہو چکی ہے، یہ چند حضرات مخالفت پر کمر بستہ ہیں ،کیا میں اس بیعت کو فسخ کر دوں ،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں صبر و تحمل اور رواداری احترام اور نرمی کا مشورہ دیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس مشورے پر عمل کا وعدہ کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے- مدینہ منورہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قیام کے دوران حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما جیسے کبار صحابہ اس خوف سے اہل وعیال کے ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے کہ کہیں ان لوگوں کو یزید کی خلافت پر بیعت کرنے کے لیے مجبور نہ کیا جائے -حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو انہوں نے موخر الذکر تینوں حضرات کو فردا فردا بلا کر گفتگو کی ،مگر انہوں نے ایک ہی بات کہی کہ ہمیں یہ تجویز منظور نہیں ،اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ کئی افراد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور انہیں مشورہ دیا کہ آپ اس معاملے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ، یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا طریقہ اختیار کریں، مگر حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہ نے انہیں قبول نہیں فرمایا اور حجاز میں یزید کی بیعت کا معاملہ اسی طرح معلق رہا، یہاں تک کہ ۶۰ ھجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔ (غم شہادت حسین، ص/ 54)

صحابہ کرامؓ کے معیار حق پر ہونے کے لئے ذیل میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندیؒ کے بعض مکتوبات جو امام ربانی کے نام سے مشہور ہیں، ان کے اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں، ان شاء اللہ ان سے صحابہؓ کرام کی عظمت و محبت دائمی کو دل میں قائم رکھنے میں پوری مدد ملے گی۔

قرآن واحادیث صحابہ کرامؓ کی تبلیغ سے ہم تک پہنچے ہیں اگر صحابہ کرامؓ مجروح ومطعون ہو جائیں تو وہ دین بھی جو ان کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے مجروح ومطعون ہو جائے گا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اے مخاطب! بہت زیادہ پرہیز کرا اکابرین پر طعن کرنے سے اور مقتدایان اسلام کی برائی کرنے اور وہ اکابرین جنہوں نے اپنی پوری طاقت کو صرف کر دیا کلمۂ اسلام کو بلند کرنے اور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی نصرت وحمایت میں اور جنہوں نے اپنے مالوں کو خرچ کیا ہے تائید دین میں رات دن خفیہ اور اعلانیہ اور جنہوں نے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنے کنبے برادری کو چھوڑا اپنی اولاد وازواج کو چھوڑا اپنے وطنوں کو چھوڑا جنہوں نے اپنے گھر اپنے بہتے چشمے اپنے کھیت اپنے باغات اور نہریں یہ سب چیزیں چھوڑیں، جنہوں نے ذات رسول علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنی ذات پر ترجیح دی جنہوں نے محبت رسول کو اپنی ذات کی محبت اور اپنے اموال و اولاد کی محبت کے مقابلے میں اختیار کیا، یہ وہ ہیں جو شرف صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہیں اور صحبت رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں رہکر برکات نبوت سے بہرہ مند ہوئے، وحی ان کے سامنے آئی جبرائیل علیہ السلام کی حاضری ان کی موجودگی میں ہوتی تھی اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے خوارق و

معجزات رسول کو دیکھا ہے یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عینی ہو گیا اور ان کو یقین کی وہ دولت عطا ہوئی جو ان کے بعد کسی کو نہیں ملی یہاں تک کہ دوسروں کا کوہ احد کے برابر سونا خیرات کرنا ان کے ایک مد یا نصف مد جو کے اجر کے برابر بھی نہیں ہے، یہ وہ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں فرمایا ہے۔

رضی اللہ عنہم ورضوعنہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔

دوسری جگہ انجیل کے حوالہ سے فرمایا گیا:

مَثَلُهُمْ فِي الإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔

اور انجیل میں ان اصحاب محمد علیہ الصلوۃ والسلام کی مثال یوں بیان ہوئی ہے کہ ایک کھیتی کی طرح جس نے کمزور اور نرم و نازک خوشہ زمین سے برآمد کیا پھر اس کو طاقت دی پھر وہ اپنی ساق پر سیدھا قائم ہو گیا کاشتکار اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تا کہ جلیں ان سے دل کافروں کے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ سے جلنے والوں کو **الکافر** فرمایا ہے، پس صحابہؓ سے جلنے اور کینہ اور غصہ سے اسی طرح پرہیز کرنا ضروری ہے جس طرح کفر سے پرہیز کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ (از مکتوب، ٣٦، جلد دوم)

اسی مکتوب میں آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے فرمایا گیا ہے: حضرت عائشہ صدیقہؓ جو کہ حبیبہ حبیب رب العالمینؐ ہیں اور جو آخر وقت تک آپ کی مقبولہ اور منظورۂ نظر رہیں اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کل مدت مرض الموت ان کے حجرے میں گزاری اور ان کی آغوش مبارک ہی میں آپؐ نے اپنی جان پاک جان آفریں کے سپرد کی اور پھر انہیں کے حجرے میں مدفون ہوئے، باوجود ان فضائل کے حضرت صدیقہؓ عالمہ اور مجتہدہ بھی تھیں اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

نے نصف دین جو کہ عورتوں سے متعلق ہے کا بیان ان کے حوالے سے کیا تھا اصحاب کرامؓ احکام میں ان سے رجوع کرتے تھے اور مسائل ومشکلات کا حل ان سے پاتے تھے ایسی صدیقہ مجتہدہ کو حضرت علیؓ سے ایک اجتہادی اختلاف کی بنا پر مطعون کرنا اور اور امور ناشائستہ ان کی طرف منسوب کرنا نہایت بیہودہ بات ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے سے بعید ہے۔ (از مکتوب، 36، جلد دوم)

محاربات صحابہؓ

محاربات ومنازعات جو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان ہوئے ہیں مثل جنگ جمل اور محاربۂ صفین کے ان کو اچھے معانی کی طرف پھیرنا اور ہوا وتعصب سے دور رکھنا چاہیے۔

تمام اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنا اور سب کو اچھائی سے یاد کرنا چاہیے اور ان میں سے کسی ایک کے حق میں بھی بدگمان نہیں ہونا چاہیے ان کی منازعت کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر قرار دینا چاہیے طریق فلاح ونجات یہی ہے اس لیے کہ صحابہ کرام سے دوستی رکھنا دوستی پیغمبر کی ہی وجہ سے ہے صحابہؓ سے بغض رکھنا بغض پیغمبر تک کھینچ کر لے جائے گا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں جس نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر نہیں کی وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہی نہیں لایا۔ (از مکتوب، 67، جلد دوم)

اللہ تعالی تم کو رشد وہدایت عطا کرے اور صراط مستقیم پر چلائے اچھی طرح سمجھ لو کہ اس طرح کے شبہات ایک جماعت کے لوگ حضرات خلفاء ثلاثہ پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر وارد کیا کرتے ہیں۔

اور ان تشکیکات کے ذریعے ان اکابر ملت کو مجروح کرنا چاہتے ہیں، کاش یہ لوگ انصاف پر آجائیں اور صحبت خیر البشر علیہ الصلوۃ والتسلیم کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ ذہن نشین کرلیں

کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نفوس صحبت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم میں رہ کر ہوا و ہوس سے پاک اور ان کے سینے عداوت و کینہ سے صاف ہو گئے تھے اور یہ بھی جان لیں کہ یہ صحابہ وہ اکابرین اور پیشوایان اسلام ہیں جنہوں نے اپنی طاقتوں کو کلمۂ اسلام کے بلند کرنے میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں اور اپنے اموال کو بھی اسی مقصد کے پیش نظر رات دن خفیہ اور اعلانیہ صرف کیا ہے، انہوں نے محبت رسول کی خاطر اپنے قبیلوں کو، اپنی اولاد و ازواج کو، اپنے وطنوں کو اور مکانوں کو، اپنے چشموں اور کھیتوں کو، اپنے باغات اور نہروں کو چھوڑا ہے، انہوں نے اپنی ذات اور اپنی ذریات و اموال کی محبت کے مقابلے میں محبت رسول کو اختیار کیا۔ یہی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن کے سامنے وحی آتی تھی جنہوں نے معجزات کو اپنے آنکھوں سے دیکھے، یہاں تک کہ ان کا غیب حضوری بن گیا اور ان کا علم مشاہدہ ہو گیا، یہی وہ حضرات ہیں جن کی تعریف قرآن مجید میں اللہ تعالی نے فرمائی ہے: چنانچہ ایک جگہ فرمایا ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ یعنی اللہ ان سے راضی ہو گیا یہ اللہ سے راضی ہو گئے دوسری جگہ توریت و انجیل کا حوالہ دے کر فرمایا: مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الإِنجِيلِ۔ جب کہ تمام اصحاب کرام ان فضیلتوں میں شریک ہیں تو پھر سمجھنا چاہیے کہ کیا مقام ہے خلفائے راشدین کا جو اکابر صحابہ میں سے ہیں، عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہی عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالی نے اپنے رسول سے فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور مومنین میں سے وہ بھی جنہوں نے آپ کی اتباع کی۔ (از مکتوب، 94 جلد دوم)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ کا سبب نزول حضرت فاروق اعظم کا اسلام ہے، نظر انصاف حاصل ہوا اور شرف صحبت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کر کے

ان تمام فضائل و درجات کو جو صحابہ کرامؓ کے تھے جان لیا جائے تو اس قسم کے شبہات کو خود معترضین مغالطہ وملمع کاری تصور کریں گے اور قابل اعتبار نہ سمجھیں گے چاہے وہ غلطی کے اصل مادے کی تشخیص و تعین نہ کر سکیں مگر اس قدر ضرور جان لیں گے کہ ان شبہات کی کوئی حقیقت اور ان میں کوئی افادیت نہیں ہے بلکہ یہ شبہات ضروریات اسلامیہ سے ٹکراتے ہیں اور کتاب و حدیث کی رو سے مردود ہیں۔

اسی مکتوب میں آگے فرماتے ہیں: صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن ظن رکھنا ضروری ہے اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ بہترین زمانہ زمانۂ سرور کائنات ہے اور آپ کے اصحاب انبیاء کے بعد بہترین اولاد آدم تھے اور اس کے نتیجہ میں یہ یقین کرنا بھی لازم ہے کہ بہترین زمانے میں بہترین بنی آدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ہرگز امر باطل پر اجتماع واتفاق نہ کریں گے اور ایسے لوگوں کو جانشین پیغمبر نہ بنائیں گے جو نعوذ باللہ کافر و فاسق ہوں، اور یہ جو ہم نے کہا کہ اصحاب کرامؓ بہترین اولاد آدم تھے اس بنا پر کہا کہ یہ امت نص قرآنی کی رو سے خیر الامم ہے اور اس امت کے بہترین افراد یہ صحابہؓ ہیں، کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا بس تھوڑا سا انصاف کرنا اور سمجھنا چاہیے کہ حضرت فاروقؓ کا قرطاس کے لانے سے منع کرنا معاذ اللہ کفر تھا تو پھر صدیق اکبرؓ جو بنص قرآنی اس بہترین امت میں سب سے زیادہ متقی تھے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو تصریح وتعین کے ساتھ اپنا خلیفہ مقرر نہ کرتے اور وہ مہاجرین وانصار جن کی تعریف اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمائی ہے اور جن سے اللہ راضی ہو گیا اور جن سے اس نے جنت کا وعدہ کیا ہے وہ مہاجرین وانصار حضرت فاروق سے بیعت نہ کرتے اور ان کو جانشین پیغمبر نہ بناتے، جب حسن ظن جو کہ مقدمۂ محبت ہے صحبت آنسرور اور اصحاب آنسرور سے حاصل ہو گیا تو اس قسم کے اعتراضات کی مزاحمت سے نجات میسر ہو گئی اور ان اعتراضوں کا ظاہری طور پر باطل ہونا

ظاہر ہو گیا اور اگر نعوذ باللہ حسن ظن خیر البشر اور اصحاب خیر البشر سے حاصل نہ ہوا اور بدگمانی کی نوبت آئی تو یہ بدگمانی صحابہ سے آگے بڑھے گی اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمانی ہو گی بلکہ مولائے حقیقی تک بدگمانی کا سلسلہ پہنچے گا۔

اس بات کی خرابی کو خوب سمجھ لیا جائے جس نے توقیر اصحاب کرامؓ نہیں کی وہ گویا رسول اللہ پر ایمان نہ لایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کی شان میں یوں فرمایا ہے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھا پس محبت رسول کے لیے محبت صحابہؓ لازم ہے اور بغض اصحابؓ مستلزم بغض نبیؐ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

صحابہ کرامؓ کا مقام ومرتبہ

امت مسلمہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اس روئے زمین پر نسل انسانی میں انبیاء ومرسلین کے بعد کسی کا عالی مرتبہ اور درجہ ہے تو وہ صرف صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے، جن کا اسلام اور شریعتِ اسلام میں خاص مقام ہے۔ یہ ایک ایسی پاکیزہ اور مقدس جماعت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام اُمت کے درمیان اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ایک عظیم اور لازمی واسطہ ہے۔ اس واسطہ کے بغیر نہ اُمت کو قرآن کریم ہاتھ آ سکتا ہے، نہ قرآن کریم کے وہ مضامین جن کو قرآن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر یہ کہہ کر چھوڑا ہے: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ إِلَيْهِمْ. (النحل:۴۴)

آپ بیان کریں لوگوں کے لیے وہ چیز جو آپ کی طرف نازل کی گئی۔ اسی طرح احادیث نبویہ جو آج ہم تک پہونچی ہیں یہ بھی انھیں حضرات صحابہؓ کی ہی رہین منت ہیں، کیوں کہ ان ہی کے ذریعہ ہم تک یہ قرآن وحدیث، دین اور اسلام پہنچا ہے اور آج ہم مسلمان ہیں، ورنہ آج ہم ضلالت وگمرہی کی کس وادی میں بھٹک رہے ہوتے، کسی کو کچھ پتہ نہیں، قرآن واحادیث میں کثرت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ومناقب، امتیازات وخصوصیات، اوصاف وکمالات کو بیان فرمایا گیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ پوری امت کیلئے کوئی معمولی افراد نہیں ہیں، لہذا ان سے محبت وعقیدت، عزت واحترام اور ان کے نقش قدم پر چلنا امت مسلمہ کے لئے لازم اور ضروری ہے، اور ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی اور جرأت بھی ناقابل معافی جرم ہے، ایک حدیث میں آپؐ نے یہ فرمایا، اللَّهَ اللَّهَ فِي أَصْحَابِي لاَ تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللَّهَ وَمَنْ آذَى اللَّهَ فَيُوشِكُ أَنْ

یَأْخُذَہُ، میرے بعد میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور ان کو ہدف ملامت نہ بنانا اس لئے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے انہیں ایذاء (تکلیف) پہنچائی گویا اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اللہ تعالیٰ عنقریب اسے اپنے عذاب میں گرفتار کرے گا، اور ایک جگہ فرمایا: أصحابي كالنُّجومِ بأيِّهِمُ اقتديتُمُ اهتديتُم۔

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پا جاؤ گے۔

کیونکہ یہی وہ مبارک اور پاک باز جماعت ہے جسے اللہ رب العزت نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت اور مصاحبت کے لیے چنا اور اپنے دین کی نشر واشاعت کے لئے انتخاب فرمایا، جنہوں نے اپنی پوری زندگی تبلیغ وترویج اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا، انہیں اس راہ میں بہت سی صعوبتیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں حتی کہ انہوں نے اسلام کے عقائد اور اصول وفروع کے پھیلانے اور پہنچانے میں جانوں کی بازی لگادی، کفر وشرک کا تعاقب کیا تو اس راہ کی ہزارہا مصیبتیں وبلائیں ان کے پاؤں کی رفتار کو روک نہ سکیں، امن ورحمت کے پیغام سے زار ونزار دنیا کو اس طرح روشناس کرایا کہ انسانیت کی کشت ویراں چمنستان حیات میں تبدیل ہوگئ، یقیناً صحابہ کرامؓ ادب واحترام کے حسین سنگم اور خشیت الٰہی کے پیکر تھے، زہد وتقویٰ ان کا وطیرۂ حیات تھا اور ایثار وقربانی ان کا طرۂ امتیاز تھا، انھیں صفات عالیہ اور خصائص حمیدہ کا تذکرہ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں فرمایا، اِنَّ الذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْواتَہم عِندَ رَسُولِ اللّٰہِ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اِمْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوبَہُم لِلتَّقوٰیٰ لَہُم مَغْفِرۃٌ وَاَجْرٌ عَظِیْمٌ۔(سورہ الحجرات:۳)

بیشک جولوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ

لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خالص کر دیا ہے ان لوگوں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے، حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دنیائے انسانیت کے لئے نشان منزل تھے، چراغ ہدایت تھے، فیضانِ الٰہی کا کرشمہ تھے، ان کے دل مشکوٰۃ نبوت سے کہکشاں تھے ، جو دین انہیں ملا تھا، اسے محفوظ رکھا اور آگے بڑھایا اور عالم میں پھیلایا۔ ساری اُمت پر ان حضرات کا احسان ہے کہ اُمت تک پورا دین انہوں نے پہنچادیا۔ یہ حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح نائب بنے۔ علم بھی سیکھایا اور عمل کر کے بھی دکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کی قدر دانی فرمائی، ان کی محنتوں کو قبول فرمایا۔ قرآن مجید میں ان کی تعریف فرمائی اور ان سے راضی ہو جانے کی خوشخبری دی اور ان کے بلند درجات سے آگاہ فرمایا اس لیے ان کے عظمت وتقدس کو دل وجان سے تسلیم کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی طرز زندگی کو اپنانے کی حتی الامکان کوشش کی جائے ۔

اسلامی عقائد ونظریات اور انسانی اخلاق و عادات کی اصلاح ویسے ہونی چاہیے جیسے صحابہ کرامؓ نے اپنے عملی نمونہ، عظمت و کردار، اور بلند حوصلگی کے ذریعہ پوری دنیا میں حسین ترین اسلامی معاشرہ کی بنیاد رکھی، اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب برسوں سے دیکھتے چلے آرہے تھے اس کو شرمندۂ تعبیر کیا، لہذا ان شمع ایمان اور نور یقین سے مستنیر شخصیات عشق و للٰہیت کے پیکر مہر و وفا کے راہی، حضرت رسالت مآب اور ان کے تربیت یافتہ برگزیدہ اصحاب سے محبت رکھنا اور ان کی راہ پر چلنا ایمان کی علامت اور نشانی ہے، لیکن یاد رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انسان تھے ان سے بھی بہت سے مواقع پر بشری تقاضوں کے تحت لغزشیں ہوئی ہیں لیکن لغزشوں، خطاؤں، گناہوں کو معاف کرنے والی ذات اللہ کی ہے اس نے صحابہ کرامؓ کی اضطراری، اجتہادی خطاؤں کو صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ اس معافی نامہ کو قرآن کریم کی آیات میں نازل فرما کر، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ،أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ

اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ اللہ کی جماعت ہے، سن لو! اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے۔ اس آیت میں بتادیا کہ اب کوئی ان کو برا جانے یا ان کو نہ مانے تو اس نے گویا قرآن وحدیث کا انکار کیا۔ اور اس کا انجام اور ٹھکانہ جہنم ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے سچی محبت کرنے اور ان کے نقش قدم پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (از: عبدالرحمٰن علاء الدین ندوی)

☆☆☆☆☆☆☆

سحر، ساحرین، جنات اور شیاطین سے نجات کا مجرب نسخہ

سلسلہ کے تمام حضرات اس مضمون کو بار بار پڑھ کر حرزِ جان بنالیں اور پورا پورا استفادہ کریں۔

﴿حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نہایت قیمتی ملفوظات﴾

﴿جنات کیسے بھاگتے ہیں؟﴾

فرمایا: سالک طریقت کی پیشانی کے نور سے مومن جنات گرویدہ ودیگر جنات وشیاطین بھاگ جاتے ہیں، یہ نور ازلی ہوتا ہے، ہر پریشانی میں موجود ہوتا ہے، لیکن مستور ہوتا ہے، نفس کی کدورت کی جھلی اس نور کو محجوب کئے ہوتی ہے۔

نفس جب کدورت سے پاک ہوتا ہے تو یہ نور منور ہوجاتا ہے، جگمگا اٹھتا ہے، ورنہ کسی اور طرح یہ حجاب نہیں اٹھ سکتا، بھاویں سوسو حیلے کرو، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال جنات وشیاطین کو جلا دیتا ہے، کوئی بھی تاب نہیں لاسکتا۔

﴿قرآن شریف شیطان کو کیسے جلاتا ہے﴾

فرمایا: سالک جب قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہوتا ہے قرآن مجید کے نور کے جلال سے ہمزات شیاطین لاغر نحیف اور بے بس ہوکر توبہ توبہ کرنے لگتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال شیطان کو جلا دیتا ہے، تلاوت قرآن، نماز، ذکر ان تینوں میں ہر مرض سے کلی شفاء ہے، ان تینوں کی کثرت مساوی ہو یہی سلف صالحین کا نسخۂ کیمیا ہے۔

شیطان سے بچنے کا ہتھیار

فرمایا: دیکھئے بیت اللہ، اللہ تعالی کا گھر ہے ابرہہ نے چاہا تھا کہ اس گھر کے اوپر قبضہ

جمائے، اللہ تعالی نے ابابیلوں کو مسلط کر دیا، انہوں نے کنکریاں مار مار کر اس کے پورے لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا، بالکل اسی طرح انسان کا دل اللہ تعالی کا گھر ہے، اگر شیطان اس کی طرف قدم بڑھانا چاہے تو آپ لا الہ الا اللہ کی ضربوں سے اور اللہ اللہ کے الفاظ سے اس کے اوپر پتھروں کی بوچھاڑ کیجئے، پھر دیکھئے کہ اللہ آپ کو شیطان سے محفوظ فرما لیں گے اور قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔ (سورہ الاعراف، آیت: 201)

ترجمہ: بلاشبہ جنہوں نے تقوی اختیار کیا جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال بھی ان کو چھوتا ہے تو وہ اللہ کا ذکر کر لیتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(حضرت مولانا) **محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی**

خلیفہ ومجاز بیعت

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: حضرت حاذق الامت مولانا ذکی الدین صاحب پرنامبٹیؒ

خلیفہ ومجاز: مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلالا آبادیؒ

خلیفہ ومجاز: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

شجرہ : سلسلۂ چشتیہ منظومہ: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

سلاسل اربعہ کے مشائخ کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ مشائخ کا شجرہ انفرادی اور اجتماعی طور پر پڑھنے سے مصائب دور، مسائل حل اور مقاصد پورے ہوتے ہیں، اسلئے باجازت شیخ اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کیواسطے
اوردر ودونعت ختم الانبیاء کیو اسطے
اورسب اصحاب وآل مجتبیٰ کے واسطے
رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے کے واسطے
بالخصوص ان اولیائے باصفا کے واسطے
مولوی اشرف علی شمس الہدیٰ کے واسطے
حاجی امداداللہ ذوالعطا کے واسطے
حاجی عبدالرحیم اہل غزا کے واسطے
شیخ عبدالباری شہِ بے ریا کے واسطے
شاہ عبدالہادی پیر ہدے کے واسطے
شاہ عضدالدین عزیز دوسرا کے واسطے

شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے
شہ محب اللہ شیخ باصفا کے واسطے
بوسعید اسد اہل ورا کے واسطے
نشہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے
شہ جلال الدین جلیل اصفیا کیواسطے
عبد قدوس شہ صدق وصفا کیواسطے
اے خدا شیخ محمد راہنما کے واسطے
شیخ احمد عارف صاحب عطاء کیواسطے
احمد عبد الحق شہ ملکِ بقا کیواسطے
شہ جلال الدین کبیر اولیاء کے واسطے
شیخ شمس الدین ترک باضیا کیواسطے
شیخ علا الدین صابر بارضا کیواسطے
شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے
خواجہ قطب الدین مقتول دلا کیواسطے
شہ معین الدین حبیب کبریاء کے واسطے
خواجہ عثمان با شرم وحیا کے واسطے
خواجۂ مودود چشتی پارسا کے واسطے
شاہ بو یوسف شہ شاہ وگدا کیواسطے
بومحمد محترم شاہِ وِلا کے واسطے
احمد ابدال چشتی باسخا کے وا سطے
شیخ ابو اسحاق شامی خوش ادا کیواسطے
خواجہ ممشاد علوی بوالعلا کیواسطے

بوہبیرہ شاہ بصری پیشوا کیواسطے
شیخ حذیفہ مرعشی شاہِ صفا کیواسطے
شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کیواسطے
شیخ حسن بصری امام اولیاء کیواسطے
ہادی عالم علی شیر خدا کیواسطے
سرور عالم محمد مصطفے کے واسطے
یاالٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے
یاحق اپنے عاشقان باوفا کیو اسطے
یارب اپنے رحم واحسان وعطا کیواسطے
کر رہائی کا سبب اس مبتلا کیو اسطے
کون ہے تیرے سوا مجھ بےنوا کیواسطے
ہے عبادت کا سہارا عابدوں کیو اسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کیواسطے
بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کیواسطے
اپنے لطف ورحمت بے انتہا کیواسطے

☆☆☆☆☆

معمولات

صبح و شام

معمولات اور ان کی تعداد کم ہوں یا زیادہ مشائخ اپنے مریدین ومتوسلین کو ان کے حسب احوال ارشاد فرماتے ہیں۔ راقم السطور مندرجہ ذیل طریقے پر سالکین طریقت وعاشقان حق کی رہنمائی کا ادنی فریضہ انجام دیتا ہے۔

﴿طبقۂ اولیٰ﴾

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت حکیم الامتؒ کے بعض ذاتی معمولات یہ تھے ۔تہجد کے بعد آپ اس طرح معمولات کو شروع فرماتے:

أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِي بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ــــــــ 3،بار

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ــــــــ 100 بار

درود شریف۔ ــــــــ 100 بار

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ ــــــــ 200 بار

اِلَّا اللّٰه۔ ــــــــ 400,بار

اَللّٰهُ اللّٰه۔ ــــــــ 600,بار

اَللّٰهُ۔ ــــــــ 100 بار

تلاوت کلام پاک کم از کم ایک پارہ مع سورۂ یسین شریف۔

مناجات مقبول حضرت حکیم الامتؒ۔ ــــــــ ایک منزل

شام کے معمولات

استغفار۔ ________ 100، بار

لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________ 100، بار

درود شریف۔ ________ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

طبقۂ ثانیہ صبح کے معمولات

أَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِی عَنْ غَیْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ________ 3، بار

اَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ________ 100، بار

درود شریف۔ ________ 100، بار

لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________ 100، بار

اَللہُ اللہ۔ ________ 100، بار

اللہ۔ ________ 100، بار

کم از کم سورۂ یسین شریف کی تلاوت، زیادہ سے زیادہ تلاوت کی کوئی حد نہیں۔

مناجات مقبول حکیم الامتؒ ہر روز۔ ________ ایک منزل

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

شام کے معمولات

استغفار۔ ________ 100، بار

لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________ 100، بار

درود شریف۔ ________ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

(نوٹ)

طبقۂ اولیٰ کیلئے حسب طاقت صبح میں

سورۂ اخلاص۔ __________ 100، بار

تیسرا کلمہ، سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر۔ __________ 100، بار

طبقۂ اخیر کیلئے صبح کے معمولات

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ __________ 33، بار

أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ اِلَیْہ۔ __________ 33، بار

أَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَآلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ __________ 33، بار

قرآن شریف کی تلاوت کم از کم دس آیتیں۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

شام کے معمولات

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ __________ 33، بار

استغفار۔ __________ 33، بار

درود شریف۔ __________ 33، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

عشاء کی نماز کے بعد وتر سے قبل دو یا چار رکعت تہجد ہر طبقہ کیلئے۔ __________

☆☆☆☆☆☆☆

{مؤلف کا تعارف}

نام : محمد علاء الدین قاسمی ابن الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب۔

ولادت و پیدائش : مقام و پوسٹ: جھگڑوا، تھانہ جمال پور، وایا گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ بہار (انڈیا)

ابتدائی تعلیم : ناظرہ، وحفظ، وقرأت قرآن شریف: مدرسہ عربیہ حسینیہ چلہ امروہہ ضلع مرادآباد یوپی۔

عربی اول : جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد (یوپی)

عربی دوم، سوم : مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (یوپی)

اعلیٰ تعلیم : عربی چہارم تا دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند (یوپی)

فراغت : ۱۹۹۱ء

بعد فراغت مصروفیات...

درس وتدریس : درجہ سوم تا ہفتم: مدرسہ حسینیہ شریوردھن کوکن مہاراشٹر۔

حرمین شریفین کی زیارت اور عملی سرگرمیاں: فریضۂ امامت اور جدہ اردو نیوز کے لئے کالم نگاری۔

موجودہ مصروفیات : خانقاہ اشرفیہ پالی کی ذمہ داری اور تصنیف وتالیف کے مشاغل۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مؤلف کی مشہور کتابیں

۱۔ رمضان المبارک سے محرم الحرام تک۔

۲۔ اپنے عقائد کا جائزہ لیجئے۔

۳۔ نکاح اور طلاق۔

۴۔ حج گائیڈ۔

۵۔ چالیس حدیثیں۔

٦۔ جادو ٹونا، اور کہانت کا حکم۔

۷۔ دس عظیم صحابہ کرامؓ کے ایمان افروز واقعات۔

۸۔ وعظ وادب کا خزانہ۔

۹۔ عظمت قرآن۔

۱۰۔ مسائل حاضرہ۔

۱۱۔ قربانی کے ضروری مسائل۔

۱۲۔ اصلاح کا تیر بہدف نسخہ۔

۱۳۔ چراغ اصلاح۔

۱۴۔ تکبر ایک وبال ہے۔

۱۵۔ تنقید ایک بُری عادت ہے۔

۱٦۔ جنت کے حسین محلات اور لذیذ ونفیس نعمتیں۔

۱۷۔ تراویح کا پیسہ لینا جائز نہیں۔

۱۸۔رمضان المبارک کو نفع بخش اور مقبول بنانے کے صحیح طریقے۔

۱۹۔قیامت کی آخری علامتیں۔

۲۰ تصوف کی اہمیت وضرورت۔

۲۱۔غیبت ایک گندہ عمل ہے۔

۲۲۔اصلاح کے قیمتی موتی۔

۲۳۔اصلاح کے اہم نسخے۔

۲۴۔اخلاص اور اخلاق۔

۲۵۔اصلاحی واقعات جلد، اوّل۔

۲۶۔اصلاحی واقعات جلد دوم۔

۲۷۔اصلاحی واقعات جلد سوم۔

۲۸۔دعاء کا صحیح طریقہ۔

۲۹۔اصلاح کا مبارک سفر۔

۳۰۔قربانی کی شرعی حیثیت۔

۳۱۔پنج وقتہ نماز اور ان کے ضروری مسائل۔

۳۲۔محرم الحرام تاریخ وشریعت کے آئینے میں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿بیعت سے آدمی پاک صاف ہوجاتا ہے﴾

حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں میرا بیعت ہونے کو بہت جی چاہتا تھا، مگر ہمت نہیں ہوتی تھی کیونکہ مجھے یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر بیعت ہونے کے بعد بھی گناہ ہوتے رہے تو بیعت ہونے سے کیا فائدہ؟ اس لئے پہلے حضرت میرے ناپاک ہاتھوں کو اس قابل کردیں کہ حضور کے پاک ہاتھوں میں دے سکوں، احقر کی عرض مذکور پر تمثیلاً فرمایا کہ: ایک دریا تھا اس کے پاس ایک ناپاک اور میلا کچیلا آدمی آیا اس دریا نے کہا کہ آ تو میرے پاس آجا۔ اس نے کہا کہ میری بھلا کیا مجال ہے میں تیرے پاس آسکوں، تو بالکل صاف وشفاف، میں بالکل نجس، پلید، ناپاک، دریا نے جواب دیا تو تو اس حالت میں میرے پاس آنے نہیں پاتا اور بغیر میرے پاس آئے اور میرے اندر نہائے پاک ہو نہیں سکتا، تو بس ہمیشہ کیلئے دوری ہی رہی، ارے بھائی پاک ہونے کی تدبیر بھی تو یہی ہے کہ بس آنکھیں بند کرکے بلا پس وپیش میرے اندر کود پڑ بس، پھر فوراً ہی میرے اندر سے ایک ایسی موج اٹھے گی جو تیرے سر پر ہوکر گذر جائے گی اور آن کی آن میں تیری ساری نجاستوں کو دھو کر تجھے سر سے پاؤں تک بالکل صاف کردے گی۔ (اشرف السوانح، ج/2، صفحہ/51)

نوٹ:

اس مضمون کو طباعت کے وقت بیک فرنٹ پر ڈالیں